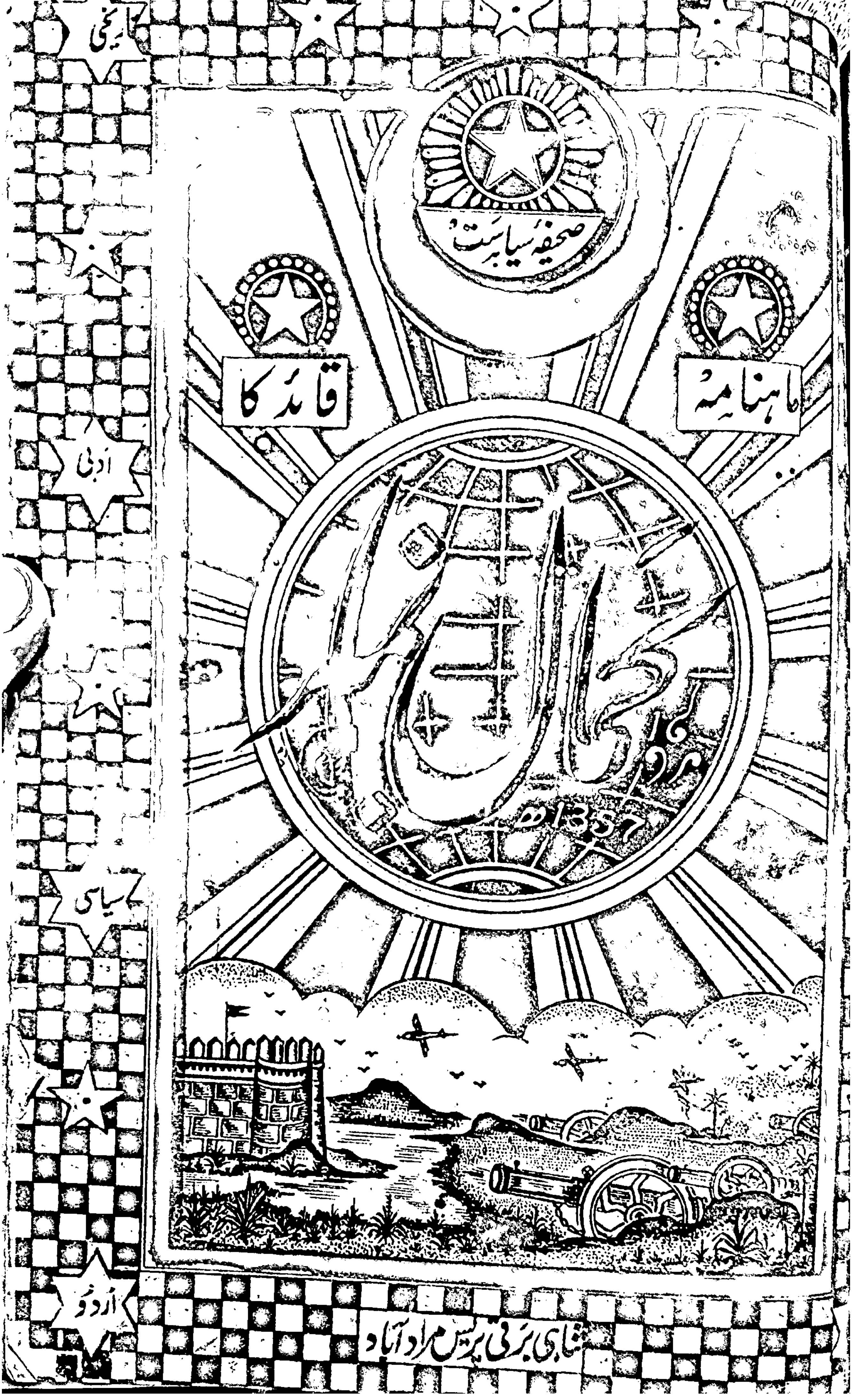


تاریخی
صحیفۂ سیاست
ماہنامہ
قائد کا
ادبی
1357ھ
سیاسی
اردو
شاہی برقی پریس مراد آباد

رسالہ قائد کے متعلق اکابر ملت اور مفکرین امت کی آرا

عالیجناب حضرت العلامہ الحاج ابوالمحاسن مولانا سجاد صاحب نائب امیر شریعت بہار

رسالہ "قائد" میں نے دیکھا۔ ماشاء اللہ مستند علماء کا رسالہ ہے۔ جو فقہی بصیرت۔ علوم عقلیہ و نقلیہ کی مہارت کے ساتھ سیاسیات میں بھی سراسر عمل ہیں۔ رسالہ کے مقاصد بلند پایہ ہیں۔ جن کی تکمیل صرف ایسی جماعت ہی سے ہو سکتی ہے جیسی خوش قسمتی سے رسالہ "قائد" کو حاصل ہے۔

مذہبی، سیاسی، اقتصادی غرض مسلمانوں کی اصلاح طلب ضرورتوں کے لئے یہ بلند پایہ شاہکار ہے اور خوبی یہ ہے کہ لیگ یا کانگرس کسی جماعت کا آرگن نہیں۔ صفحات ۶۴ طباعت وغیرہ بہتر ہوتی ہے۔ تمام معنوی اور ظاہری خوبیوں کے ساتھ عام قیمت صرف عہ سالانہ۔ خاص قیمت ؎ (جسکا کاغذ بھی بہتر ہوگا) عام

دعا ہے کہ خداوند عالم "قائد" کو صحیح معنی میں قائد کر دے اور مسلمانوں کو اس کی حوصلہ افزائی کی بیش از بیش توفیق بخشے۔ میرے نزدیک ہر مسلمان کے لئے اسکا مطالعہ نہایت مفید اور ضروری ہے۔ (ابوالمحاسن محمد سجاد)

عالیجناب مولانا منت اللہ صاحب ایم۔ ایل۔ اے صوبہ بہار و ناظم جمعیۃ علماء بہار (مونگیر شریف)

رسالہ قائد کے مطالعہ کا حسن اتفاق سے مجھے موقعہ ملا۔ الحمد للہ کہ میں نے اسکو ان ضرورتوں کے بالکل مطابق پایا جو اس وقت مسلمانوں کو درپیش ہیں۔ رسالہ کے مقاصد نہایت بلند ہیں خصوصاً سیاسیات میں آسمانی حکومت یا حکومت الہیہ کا نظریہ جو رسالہ قائد پیش کر رہا ہے۔ وہ مستحق صد مبارکباد ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ اور صحابہ کرام و اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت پیش کر کے مسلمانوں کی اصلاح یہ رسالہ کا اہم مقصد ہے۔ اور بفضلہ تعالی رسالہ اسمیں کامیاب ہے۔ جسکا باعث یہ ہے کہ ہندوستان کے مستند اکابر علماء کی سرپرستی اور ہمدردی رسالہ کو حاصل ہے۔ خدا کرے یہ رسالہ ہر طرح مسلمانوں کا قائد ہو اور مسلمان اسکی وہ قدر کریں جس کا یہ مستحق ہے۔ (منت اللہ۔ ناظم جمعیۃ علماء صوبہ بہار۔ ۱۹ر شوال ۵۸ھ)

عالیجناب حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی رکن مجلس عاملہ مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند دہلی

بہت زیادہ مسرت ہے کہ علماء مرادآباد کی قلمی اور مالی امداد سے رسالہ قائد جاری کیا گیا ہے۔ رسالہ کے مقاصد نہایت بلند اور بفضلہ تعالی اس کے ارکین تحریر بلند پایہ علماء ہیں جنکی علمی مہارت اور سیاسی بصیرت سے توقع ہے کہ رسالہ اپنے مقاصد میں آیندہ بھی ایسا ہی کامیاب رہیگا۔ جیسے کہ ابتک کامیاب ہے۔ دعا ہے کہ خداوند عالم رسالہ کو تمام مشکلات سے محفوظ اور مامون فرما کر روز افزوں مقبولیت عطا فرمائیے۔

عبدالصمد رحمانی۔ ۲۱ر شوال ۵۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرحِ چندہ	
سالانہ عمدہ کاغذ	۲؍
ششماہی	عہ؍
سالانہ معمولی کاغذ	عہ
ششماہی	۱۲؍

ممالکِ غیر سے	
سالانہ	
عمدہ کاغذ	۴ شلنگ
معمولی کاغذ	۳ شلنگ
نمونہ	مفت

ماہنامہ قائد مراد آباد کا

صحیفۂ سیاست اور کمال نمبر

مدیر مسئول
سید محی الدین اختر اسلام

ترسیل زر کا پتہ
(مولانا حکیم) الظار احمد
محلہ فیل خانہ ۔ مراد آباد

قائد التحریر
سید محمد میاں

نمبر ۱ — بابت ماہ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ — جلد ۱

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	مضمون نگار صاحب	صفحات
۱	سیاسی تربیت کے متعلق آراء	مختلف حضرات	۲-۳
۲	غازی ملت مصطفےٰ کمال کی خدمات	قائد التحریر	۴-۱۴
۳	مسیحا ترکی مصطفےٰ کمال پاشا کی سوانح حیات	مدیر مسئول	۵-۲۳
۴	غازی اتاترک علیہ الرحمۃ (نظم)	مولانا قدرت اللہ صاحب کاتب "قائد"	۲۴
۵	قطعہ تاریخ وفات	مولانا عبد الغفور صاحب شوق رتوپوری	"
۶	مسٹر جناح کی ڈپلومیسی مسلم لیگ کی تاریخ سیاہ	شیخ الہند حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی	۲۵-۵۱
۷	لسان انقلاب	مولانا محمد اطہر صاحب کشکی	۵۲-۵۶
۸	شرکت کانگریس اور شریعت غرا (استفتاء)	دار الافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد	۵۷-۷۲
۹	سورہ فاتحہ کی سیاسی تفسیر	حضرت مولانا محمد ابن عبد اللہ الغازی از کابل	۷۳-۷۶
۱۰	الکلمات الانتقادیہ علی البرنامج القدیم	حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنی مدیر جامعہ قاسمیہ	۷۷-۹۰

سیاسی تربیت گاہ اور دار الصنائع کمپنی لمیٹڈ

کے متعلق

بہی خواہانِ ملت کی آراء

{ملاحظہ فرمائیے رمضان المبارک کا پرچہ از صفحہ ۳ تا صفحہ ۸}

کچھ احباب کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ وہ فروتنی اور کسر نفسی کے طور پر اپنی رائے نہیں تحریر فرماتے کہ اکابر کے سامنے ہماری کیا رائے۔ یہ خیال قطعاً غلط ہے جبکہ رائے طلب کی جارہی ہے تو پس و پیش بے معنی ہے۔ مقامی حضرات بھی اپنی رائے تحریر فرما کر جلد مرحمت فرمائیں۔ اصلاح اور مناسب ترمیم موجب تشکر یہ ہوگی

حضرت امام الہند مولانا ابو الکلام صاحب آزاد

آپ نے جو تجویز بھیجی ہے اس کے مقصد سے مجھے پورا اتفاق ہے۔ البتہ جو بات قابل غور ہے وہ طرق اور وسائل کا مسئلہ ہے۔ کیا اچھا ہو اگر آپ اس معاملہ کے مشورہ کو بھی اس موقعہ پر ملتوی رکھیں جو عنقریب دہلی میں متوقع ہے۔ یعنی جمعیۃ علماء کی مجلس عاملہ کے انعقاد کے موقعہ پر۔ انشاء اللہ میں بھی موجود ہوں گا۔ دیگر حضرات بھی ہوں گے۔ اور زیادہ بہتر طریقہ پر غور و خوض کیا جاسکیگا۔ ۲ر شوال کلکتہ)

مولانا منت اللہ صاحب فاضل دیوبند ایم ایل۔ اے از مونگیر شریف۔ بہار

جو اسکیم جناب نے ارسال فرمائی ہے۔ وہ اپنے مقاصد کے لحاظ سے بہت زیادہ اہم ہے۔ اور ضرورت ہے کہ پہلی فرصت میں اس پر توجہ کی جائے۔ ۲۹۔ نومبر

جناب مجاہد اللہ میاں صاحب انصاری۔ از علی گڈھ کالج مجاہد اعظم اور ان کے رفقار کار کی اس تجویز کو خاکسار بنظر استحسان دیکھتا ہے۔ اور ان ضرورتوں کو جو اس میں ظاہر کی گئی ہیں۔ لفظ بہ لفظ تسلیم کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ذیل کی باتیں اختلافی طور پر نہیں بلکہ

اضافہ کی غرض سے عرض کرنا چاہتا ہے ا۔

(۱) جہاں سیاسی تربیت گاہ میں دنیا کی موجودہ سیاست۔ اقوام عالم کی تاریخ اقتصادیات و معاشیات، جغرافیہ وغیرہ کی تعلیم دی جائے وہاں اسلامی سیاست (حکومت الہی) کی تعلیم بھی از بس ضروری ہے۔ کیونکہ یہ بھی اشتراکیت، فسطائیت۔ نازیت وغیرہ کی طرح ایک سیاسی آئین اور دستور ہے جس کو سیاسی جمعیتوں (کانگرس، لیگ، احرار) کی طرح چلانا اور اس کے مطابق بتدریج حکومت قایم کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور فرض اسلام اور وظیفۂ وجدان و ایمان ہے اس سلسلہ میں علامہ منصور انصاری کی تالیفات کو داخل نصاب کرنا نہایت ضروری ہے۔ امید ہے اس کو مدبرین ہند سوچیں گے اور سمجھیں گے۔

(۲) اس ادنیٰ کی رائے میں حکومت سے کسی حالت میں امداد نہ لی جائے۔ اور دیوبند کی روایات کو نہ توڑا جائے۔

(۳) دارالصنائع کمپنی لمیٹڈ کی (آرٹیکلز و میمورنڈم) قواعد و ضوابط کی رو سے یہ سہولت بہم پہنچائی جائے۔ کہ اس کے حصص کی خریداری غریب سے غریب کر سکے۔ یعنی دس روپیہ کی حصہ کی رقم کو دس ماہ میں ایک ایک روپیہ ماہوار کے حساب سے باقساط وصول کیا جائے۔ اس صورت میں ہر مزدور اور غریب پیشہ ور اس کار ثواب اور کار نفع میں آسانی سے شرکت کر سکے گا۔ امید ہے کہ زعمائے ملت کمپنی کے قوانین کی تشکیل کے وقت اس ادنیٰ تجویز کو ضرور پیش نظر رکھیں گے۔

فقط۔ محامد اللہ عفی عنہ۔

مولانا عبد العلیم صاحب فاضل دیوبند۔ ڈاکخانہ پھولباڑی ضلع دیناجپور بنگال

آپ جمیع اکابر نے جو تجویز شائع فرمائی ہے۔ یقیناً مسلمانان ہند کے لئے مفید اور کار آمد ثابت ہوگی۔ بندہ بھی اس تجویز کی تائید پرزور لفظوں میں کرتا ہے۔

مولانا عبد الغفور صاحب مدرس مدرسہ محمودیہ بشنپور ضلع پورنیہ

دارالصنائع کے متعلق جتنی تجاویز ہیں سب ہم اراکین مدرسہ کو منظور ہیں۔ بلکہ اس کے دو چار حصص کے خریدار بھی طیار کروں گا۔

اطلاع جواب طلب امور کیلئے ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا ضروری ہے۔ پتہ صاف اور خوشخط ہونا چاہیے۔ اور نمبر خریداری ضرور دیا جائے۔ رسالہ نئے خریداروں کی آپ سے توقع رکھتا ہے

غازیِ ملت مصطفٰے کمال کی خدمات

شریعتِ غرا کی روشنی میں

(از محمد میاں قائد التحریر رسالہ قائد)

ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نوشید ــ زجامِ دہر مئے کل من علیہا فان

کچھ عرصہ ہوا ــ ترک اعظم مصطفٰے کمال رحمۃ اللہ اس خاکدان ارضی سے رحلت اختیار کر چکے چند دنوں پیشتر جس کی تقریر براڈ کاسٹ ہوتی تھی۔ آج اوس کی سیرت لکھی جا رہی ہے۔ جس کو خلد اللہ ملکہٗ۔ دام اقبالہٗ۔ کی دعائیں دی جاتی تھیں۔ آج اُس کو رحمۃ اللہ۔ غفر اللہ لہ۔ اور قدس سرہٗ کی دعائیں دی جا رہی ہیں۔

یہ وہ انقلاب ہے۔ جس کے سامنے ہر پیدا ہونے والے کو سر تسلیم خم کرنا ہے۔

غازی اعظم کی وفات پر تمام دنیا کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اور آج اس کی یاد میں ہر ایک زندہ دل پژمردہ ہے۔ ہر ایک جگر حسرت و یاس کا مرقد بنا ہوا ہے۔

مصطفٰے کمال کی زندگی سیاست کا ایک کرشمہ تھی۔ اور اس کی وفات اوس سے زیادہ کرشمہ قدرت۔ ایک قیاسی چیز ہے کہ ایک بادشاہ کی وفات سے کچھ حکومتوں کو افسوس ہونا چاہئے کچھ کو مسرت۔

مگر آج دنیا حیران ہے کہ غازی اعظم کی وفات پر دنیا کی کوئی حکومت بھی مسرت کا اظہار نہیں کر سکتی۔ سیاست کا کرشمہ اس سے زیادہ عجیب کیا ہوگا کہ مصطفٰے کمال کی وفات دنیا کی کسی حکومت کے لئے بھی نقصان سے خالی نہیں۔

جرمنی ۔ اٹلی ۔ روس ۔ فرانس ۔ برطانیہ ۔ آپس میں ایک دوسرے کے مقابلہ پر سینہ تانے ہوئے ہیں۔ لیکن مصطفٰے کمال کی رضا جوئی کو ہر ایک ملک اپنی کامیابی تصور کرتا تھا۔ یونان باقان ۔ بلگیریا ۔ جیسی چھوٹی چھوٹی ریاستیں مصطفٰے کمال کو اپنا پشت پناہ تصور کرتی تھیں۔ ایران ۔ افغان ۔ مصر ۔ عراق ۔ حجاز ۔ یمن ۔ مصطفٰے کمال کی وفات کو اپنی یتیمی تصور کر رہے ہیں

بیشک ایک زمانہ گزرا کہ ہندوستان کا مذہبی طبقہ کمال اتاترک سے ناراض تھا۔ مگر چشم بصیرت اس وقت بھی محسوس کر رہی تھی کہ

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

واقعہ یہی ہے کہ کمال اتاترک کو بدنام کرنے والے وہی بدطینت تھے جو دوسروں پر بہتان باندھ کر اپنی بربریت اور انسانیت کش درندگی کو چھپایا کرتے ہیں۔ جب ہندوستان میں ساردا ایکٹ پر ایجیٹیشن جاری تھا۔ اور نکاح کو مذہبی چیز بتایا جا رہا تھا۔ تو راویان فرنگ نے ہمارے سامنے بیان کیا۔ کہ کمال اتاترک نے ایک سے زائد شادی ممنوع قرار دیدی ہے۔ اور شادی کے لئے لڑکوں اور لڑکیوں کی خاص عمر مقرر کردی۔

اگر یہ روایت صحیح بھی ہو۔ تو کیا یہ قانون شریعت کی خلاف ورزی تھا۔ ؟

ایک عجیب لطیفہ یہ ہے کہ شریعت غرا کی رو سے مصطفےٰ کمال کا ایسا حکم ہر مسلمان کے لئے واجب الاتباع تھا۔ لیکن گورنمنٹ آف انڈیا کا کوئی ایسا حکم جو کسی مباح یا مسنون کو ممنوع قرار دے کسی مسلمان کے لئے واجب الاتباع اور قابل تسلیم نہیں۔

وجہ یہ ہے کہ ترکی آزاد ملک ہے۔ ترکی پارلیمنٹ آزاد پارلیمنٹ ہے۔ اس کا فائدہ اپنی قوم کی ترقی میں ہے۔ لہٰذا ترقی قوم بھی اس کا مطمح نظر ہے۔ مصطفےٰ کمال اپنی عزیز ترین قوم کی آزاد پارلیمنٹ کا صدر تھا۔ لیکن وہ صدر اقتدار پسندی کے باعث نہیں تھا۔ بلکہ اس کی قوم پروری نے اس کو صدر بنایا تھا۔

ترقی قوم کے جذبات کی شعاعیں ہر ترکی کے سینے کو چمکا رہی تھیں۔ اور وہ اس آفتاب منیر کو آفتاب جیسا ہی دیکھنا چاہتا تھا۔

ایسے سلطان۔ ایسے صدر ایسی مجلس شوریٰ کے حکم کو شریعت غرا نے واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ اس کے سامنے گردن جھکانے کو واجب گردانا ہے۔ اور اگر مسلمان سلطان۔ اور شریعت کے کسی مباح یا مسنون حکم میں بظاہر تعارض ہو جائے تو سلطان کی اطاعت کو مقدم قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ واجب ہے۔ اور واجب کا مرتبہ مستحب، مسنون اور مباح سے بالا مانا جاتا ہے۔

مان لو۔ مصطفےٰ کمال نے بھی نکاح کی عمر مقرر کردی۔ اور گورنمنٹ آف انڈیا نے بھی نقل تو بظاہر ایک ہی سا ہے۔ مگر کیا دونوں حکومتوں کے جذبات بھی ایک جیسے ہیں؟

ترکی گورنمنٹ محب قوم، عاشق وطن۔ اُس کا مقصود اس قسم کے قانون سے تعمیر اور بہبود قوم ہی ہو سکتا ہے۔

مثلاً ترکی سپاہی اور جرنیل چند شادیوں کے جھمیلے میں پھنس کر اُس جبن اور بزدلی کی طرف نہ لوٹ جائیں جس نے گزشتہ زمانہ میں ترکی شہنشاہیت کو تباہ کیا۔

یا نوجوان لڑکے اور لڑکیاں قبل از وقت شادی کرنے سے اُن ترقیات سے محروم نہ ہو جائیں جو اُن کی قومی زندگی کے لئے سب سے مقدم ہیں۔

مگر کیا ہندوستان کی غلام گر گورنمنٹ کا نظریہ بھی یہی ہو سکتا ہے۔ جہاں ہندوستانیوں کی ترقی کا پروگرام ۱۹۳۵ء تک بغاوت قرار دیا گیا تھا۔ محبان وطن کو جرم محبت میں قید و بند، حبس دوام۔ اور پھانسیوں تک کی سزائیں دی گئیں۔ اور آج پھر اس ماضی کو لوٹانے کے لئے تیاریاں ہو رہی ہیں۔

افسوس ترکی پارلیمنٹ کا فائدہ قوم اور ملک کی تعمیر میں ہے۔ اور برطانوی گورنمنٹ کا فائدہ۔ ہندوستانیوں کی تخریب اور ان کی عیش پرستی میں۔

وہاں قانون کو نافذ ضرور کیا جاتا ہے۔ مگر پبلک کو آدمی اور اپنے جیسا انسان سمجھ کر۔ اور غریب ہندوستانیوں کی جنگ یہی ہے کہ ارباب حکومت اپنے جیسا انسان سمجھیں۔

مصطفےٰ کمال کا ایک جرم یہ تھا کہ اُس نے خانقاہوں کو برباد کیا۔ سجادہ نشینوں، واعظوں اور ملانوں کو جلا وطن کیا۔ بیشک یہ بہت بڑے بڑے گناہ ہیں۔ لیکن جب کہ خانقاہوں میں بزدلی کی تعلیم دی جاتی ہو۔ رشوت ستانی۔ وطن فروشی اور ضمیر فروشی کا وہ اڈا ہوں۔ اور جب کہ طریقت کے نام پر تمام حیا سوز عیاشی جائز قرار دی جاتی ہو۔ اور انتہا یہ کہ عشرۂ محرم میں دن بھر کا روزہ مئے ارغوانی کے کیف آور جام سے افطار ہوتا ہو۔ جس کی پیش کرنے والی کوہ قاف کی مہ جبیں پریاں ہوں جن کو پیر طریقت کی خدمت کے لئے وقف کیا گیا ہو۔ تو بیشک یہ سجادے یہ خانقاہیں اسی کی مستحق ہیں کہ اُن کے ساتھ ایسے ہی جرم کا ارتکاب کیا جائے جس کا مجرم مرحوم غازی مصطفےٰ کمال تھا۔

کہا جاتا ہے کہ غازی مصطفےٰ کمال مذہب کا احترام نہ کرتا تھا۔ تعلیم قرآن پاک کی طرف توجہ نہیں کرتا تھا۔ نماز کا پابند نہ تھا۔

بیشک اگر وہ ایسا تھا تو ہم بھی اس کو ولی اللہ نہیں کہتے۔ لاکھوں مسلمان مذکورہ بالا جرائم

کے مرتکب ہیں۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ہم اوس کی اس قسم کی تمام غلطیوں کا ذمہ دار وہاں کے طبقہ علماء کو گردانتے پر مجبور ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ علماء امت کو پاسبان ملت قرار دیا گیا ہے۔ ملک اور قوم کا تحفظ ان کا فریضہ ہے۔ ہر ایک قسم کی مصیبت برداشت کرتے ہوئے صحیح جذبات کی تعلیم دینا ان کا منصبی فرض ہے۔ انسانیت کی ہمدردی۔ افراد ملت کی اعانت۔ بہبودی قوم کے لئے جگر سوزی۔ ان کا اصل شغل ہے۔ اور اُن ہی اوصاف وفرائض کی بنا پران کو وارث انبیاء کا خطاب دیا گیا ہے۔ اور انبیاء بنی اسرائیل کے ساتھ اُن کو تشبیہ دی گئی ہے۔

لیکن جب کہ سلطنت تباہ ہو رہی ہو ظلم وتعدی کا دور دورہ ہو۔ باشندگان ملک برباد کئے جا رہے ہوں۔ فرعونیت برسر پیکار ہو سطاغوتی طاقتیں جلوہ فرما ہوں۔ دیو استبداد کے پنجے بیگناہوں کے تازہ تازہ خون سے رنگین ہوتے ہوں۔ انقلاب کی روح کمزور اور درماندہ انسانوں کی رگ وپے میں نفوذ کر رہی ہو۔

غریبوں کی آہیں بے کسوں کے نالے کسی ہمدرد کی طلب میں عرش بریں تک پہنچ رہے ہوں۔ اُس وقت اگر علماء دیں۔ اور واعظان شریعت سلطان جائر کے مقابلہ میں کلمہ حق سے زبان بند کریں۔ سیاست کے میدان میں کودنے کے بجائے گوشہ نشینی اپنا شیوہ بنالیں۔ تو یاد رکھو۔ انقلاب کا سیلاب تو رک نہیں سکتا۔ خدا نے اس کو مشین گن۔ توپ۔ بندوق۔ زہریلی گیس غرض ہر چیز سے زیادہ طاقت بخشی ہے

لیکن جو انقلاب کا میدان گرم کریگا۔ دار ورسن کو حیات تصور کریگا۔ تلوار کی دھار کو بوسہ دیگا پھانسی کے پھندے کو گلے کا گلوبند بنائیگا۔ وہی سلطنت کا مالک ہوگا۔ اقتدار اسی کا ہوگا۔ تخت سلطنت اسی کے قدم لیگا اور تاج سلطانی اسی کی پیشانی چومیگا۔ اس وقت اگر کوئی زاہد متقی یا گوشہ نشیں عالم۔ کنج عافیت سے نکل کر وعظ فرمائیں اور جس جماعت نے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا کر انقلاب بپا کیا ہے۔ اس کے خلاف لب کشائی کریں تو اُن کو باغی قرار دیا جائے گا۔ اُن کی تعلیم کو درس بغاوت مانا جائے گا۔

علماء اگر زندگی چاہتے ہیں تو زندگی کی تعلیم دیں۔ ورنہ وہ نادان جاہل جو علم سے محروم ہے۔ مگر انقلاب کی جد وجہد میں سرگرم ہے۔ اور جس کی رگوں میں انقلاب کے لئے خون کھول رہا ہے۔ وہ نہ صرف آپ کو مردہ تصور کریگا۔ بلکہ آپ کے مذہب کو بھی پیغام موت جانے گا۔ وہ لامحالہ مذہب سے

متنفر ہو گا۔ بن مانے خیالات کو اپنا مذہب قرار دیگا۔

طالب انقلاب۔ حیات کا متلاشی ہے۔ اگر آپ اُس کو مذہب پرست بنانا چاہتے ہیں تو مذہب کو آبِ حیات بنا کر پیش کیجیے۔

افسوس آج علماء اس فلسفہ کو بھول گئے۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تھا۔ جہاں اب تک کسریٰ کی حکومت تھی۔ اور اب اسلامی حکومت قائم کرنا مقصود تھی۔ تو انقلاب کے ان دونوں مُعلّموں کو ہدایت فرمائی تھی۔

یسرا ولا تعسرا۔ بشرا ولا تنفرا۔ آسانی کرنا تنگی مت کرنا۔ خوشخبری سنانا۔ نفرت ملانا العظمۃ للہ۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ جہاد فی سبیل اللہ کے استشہاد کو حیات ابدی کی بشارت دی گئی ہے۔ ملت اور قوم کی فلاح و بہبود کے لیے انقلاب کو سراسر حیات بنایا ہے۔ اور اس صورت سے مذہب پرستی کو بشارتِ حیات گردانا گیا ہے۔ مگر ہم ہیں کہ اس کو تصویرِ موت بنا کر پیش کرتے ہیں۔ تم ہی بتاؤ — حیات کا متوالا — موت کی تصویر سے نفرت نہ کرے تو کیا کرے

با ایں ہمہ۔ ہم یقین نہیں کرتے کہ اس سلسلہ میں جو خبریں ہم تک پہنچائی گئیں وہ درست ہیں۔ ابھی ہفتہ عشرہ کا ذکر ہے کہ اخبارات میں پڑھا گیا کہ بالشویک نے علماء کا قتل عام کیا۔ تلاش ہوئی کہ خبر کہاں سے آئی۔ تو معلوم ہوا کہ اس وحی کا عرشِ معلےٰ غلام آباد قاہرہ تھا۔ جہاں غلامانہ ذہنیت کی یہ گرم بازاری ہے کہ فاروق کو جو ابھی خود آزادی کے راستہ میں بھٹک رہا ہے۔ خلیفۃ المسلمین۔ اور امیر المومنین بنانے کی فکر کی جا رہی ہے۔

گر ہمیں مکتب است و ایں ملّا

کارِ طفلاں تمام خواہد شد

بہرحال شاطرانِ یورپ کے لیے بہت آسان ہے کہ وہ انسانیت کے لیے مرنے والوں کو درندہ کہدیں۔ مگر کوئی اُن کے گرو مہاراج جمبرلین" سے پوچھے کہ یوگوسلاویکیا کے ساتھ تم نے کیا کیا۔ حبش کے بے کسوں کی امداد کس طرح کی۔ اور آج فلسطین کے عربوں اور صوبہ سرحد کے آزاد اور غیور پٹھانوں کے ساتھ کیا کر رہے ہو۔ ہائے بے حیائی تیرا ہی آسرا۔

مصطفےٰ کمال مرحوم کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ اُس نے قبائے خلافت کو اتار پھینکا عرب

بائیکاٹ کیا۔ عربی زبان اور عربی خط سے مقاطعہ کیا۔ لاطینی حروف رائج کئے ترکی ٹوپی کے بجائے ہیٹ لگوایا۔ عورتوں کو بے پردہ کیا۔

ہم ہندوستان میں عورتوں کے پردہ کے قائل ہیں اور مروجہ پردہ کو شریعت کا واجب الاتباع حکم تصور کرتے ہیں۔ لیکن ترکی پارلیمنٹ اور مصطفےٰ کمال جیسا محب قوم خوددار اور عاشق ملت سیاسی مصالح کے پیش نظر عورتوں کے لئے سیاسی ضرورتوں میں دسترس حاصل کرنے کے واسطے خانہ نشینی کی ممانعت کر دے۔ تو ہم وہ بھی نہیں کہ بچہ سقہ بنکر کسی غنیم سے روپیہ لیں۔ اور انقلاب پیدا کر دیں۔ ترکی ٹوپی اور ہیٹ کا مسئلہ۔ جب سامنے آتا ہے تو لازماً اور قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ ترکی ٹوپی اسلام کا جز کس طرح بنی۔؟ اور کیا کبھی کسی نبی۔ صحابی یا اولیاء اللہ اور صلحاء امت نے اس کو اسلام کا شعار بنایا ہے۔ یا کم از کم اس کے استعمال کو سنت یا مستحب بتایا ہے۔ صرف ترکوں کی ایجاد تھی۔ اُن کو حق ہے کہ اس کو باقی رکھیں یا بدل دیں۔

ہاں ایک برکت ترکی ٹوپی میں ضرور تھی کہ وہ ترکی میں تیار نہیں ہوتی تھی۔ برطانیہ کے یار غار اور یورپ کے روح القدس "مسولینی" کے ہاں سے بنکر آتی تھی۔ اسی سبب سے اُس کے بائیکاٹ پر حضرت برطانیہ چیں بجبیں ہیں۔ ہیٹ ترکوں نے اپنے ہاں بنوایا۔ اس لئے وہ گندا ہو گیا۔ بالکل درست ہے۔ کسقدر عجیب بات ہے کہ جو لوگ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ اسلام ٹوپی یا داڑی میں نہیں وہی گاندھی کیپ کو کفر قرار دیکر آسمان سر پر اٹھاتے ہیں۔

رہا خلافت وغیرہ کا مسئلہ۔ تو لطیفہ یہ ہے کہ مصطفےٰ کمال کی اس سستی اور غلط کاری کا احساس سب سے زیادہ اُن کو ہوا جو صدیوں سے پان اسلام ازم کے برخلاف ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ اور بالآخر سلطان وحید الدین خاں کو کٹ پتلی بنا کر تخت خلافت پر بٹھا دیا تھا اور اختیار و اقتدار کی تمام باگ ڈور بھی فرانس۔ برطانیہ اور روس وغیرہ کے درمیان تقسیم ہو چکی تھیں۔

خدا کی پناہ اس عیاری کی کوئی انتہا ہے۔ کہ خلافت کو برباد کرنے کے لئے ہندوستانیوں کو بہکایا جاتا ہے۔ اُن سے مقابلہ کرایا جاتا ہے۔ اس وقت خلافت کے احترام میں کوئی فرق نہیں آتا۔ عربوں پر گولے برسا کر۔ اُن پر غلہ کی آمد و رفت بند کر کے۔ مہینوں بھوکا رکھ کر۔ فاقوں سے مار کر۔ یہ سبق پڑھایا جاتا ہے کہ ملک عرب عربوں کا ہے۔ ترکوں کو اس پر سلطنت کرنے کا

کوئی حق نہیں۔ اس وقت احیاء خلافت کے دامن میں کوئی شکن نہیں پڑتی۔

ہاں جس وقت شام، مراکش، لبنان وغیرہ فرانس نے لے لئے۔ عراق، شرق اردن، مسقط، فلسطین، مصر اور عدن وغیرہ مسلم دوست اور خادم اسلام برطانیہ کے حصے میں آگئے۔ یونان، بلقان، بلگیریا، رومانیا وغیرہ پہلے ہی باغی بنا کر آزاد کرائے جا چکے۔ حجاز، نجد، یمن کی الگ الگ ریاستیں قائم کی جا چکیں۔ اور ترکی غریب کو الگ مصیبت میں مبتلا کر دیا گیا۔ جس کے لئے اپنا تحفظ بھی بظاہر حالات ناممکن تھا۔ اس وقت برطانوی حامیان اسلام کو خلافت کی فکر پڑی۔

حقیقت یہ ہے کہ مصطفےٰ کمال نے دشمنوں کے مقابلہ کے لئے وہی حربہ ہاتھ میں لیا جس سے اس کو برباد کیا جارہا تھا۔ یعنی ترکی ممالک صرف ترکوں کے ہیں۔ بالفاظ دیگر اس نے قومی اور نسلی عصبیت کو اشتعال دیا۔ اور ترکوں کے ذہن نشین یہ کرایا کہ وہ خود ایک مستقل قوم ہے جس کو استقلال اور قوت کے ساتھ دنیا میں زندہ رہنا ہے۔ ترک کو مستقل قوم گردانے کے لئے اس کو لامحالہ ضرورت تھی کہ وہ اس کا رسم الخط وہ قرار دے جس سے ترکی خود کو مستقل قوم سمجھے

علاوہ ازیں چونکہ ترکی ممالک یورپ میں واقع ہیں اور یورپین حکومتوں کا منشا یقیناً یہ ہے کہ یورپ سے اس قوم کو کسی طرح خارج کیا جائے۔ یورپین اقوام کی مرضی کے برخلاف مصطفےٰ کمال کا منشا یہ تھا کہ وہ یورپ کے اندر رہکر تمام یورپین حکومتوں کے سینے پر سوار رہے تو لامحالہ یہ بھی ضروری تھا کہ وہ اپنی قوم کے ہر فرد میں یورپین ہونے کا احساس پیدا کردے۔

صرف یورپین ہونے کا احساس پیدا کرنے کے لئے اور یورپ کی تمام طاغوتی حکومتوں کی چھاتی پر مونگ دلنے کے لئے اس نے اپنی قوم کے واسطے یورپین وضع قطع۔ طرز لباس یورپین معاشرت معین کی اور یورپین رسم الخط کو اپنی قوم میں رائج کیا۔

ہماری مہربان برطانیہ عظمیٰ کا یہ طریقہ ہے کہ اس کا پڑھایا ہوا سبق جب کوئی اُس کو سنانا چاہتا ہے تو وہ فوراً چیں بجبیں ہو جاتی ہے۔

عرب عربوں کے لئے ہے۔ جب یہ سبق شریف حسین نے برطانیہ کو سنانا چاہا تو اس کو نکالکر ابن سعود کو حجاز پر قابض کر دیا گیا۔ اور آج جب اعراب فلسطین یہی سبق برطانیہ کو سُنا رہے ہیں تو برطانیہ کس قدر چراغ پا ہے۔ وہ عالم آشکارا ہے۔

ہندوستان کے غلام جب یہی سبق دہراتے ہیں تو بغاوت قرار دیکر دفعہ ۱۲۴ عائد کی جاتی ہے۔ اور صوبہ سرحد کے غیور بہادر اسی سبق کی تلاوت کر رہے ہیں تو لاکھوں روپیہ کے گولے بارود سے اُن کی گوشمالی کی جارہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مصطفےٰ کمال کے لئے اس کے سوا اور کوئی راستہ بھی نہ رہا تھا۔

دنیا میں صرف دو ہی عصبیت ہیں۔ جن سے قوموں کو برانگیختہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک مذہبی عصبیت۔ دوسری نسلی یا وطنی عصبیت۔

مذہبی عصبیت تو وہ تھی جس کا نام انگریزوں نے "پان اسلام ازم" رکھ کر ترکی کو تباہ کیا۔ اور خود مسلمانوں نے اُس کی یہ قدر کی کہ عرب عین میدان جنگ میں باغی ہوئے۔ ترکی کو شکست دی۔ نازک وقت میں اُس سے غداری کی۔ مصر۔ ہندوستان وغیرہ کے مسلمانوں نے برطانیہ کی حمایت میں ترکوں کے مقدس سینوں کو گولیوں سے چھلنی کیا۔ اُن کے برباد کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔

اب اگر کوئی احمق ہوتا تو وہی پھر عربوں اور ہندوستانیوں کی امداد پر اطمینان کرتا۔ اور خلافت کا قبا وہی زیب تن کرتا۔ جس کو برطانیہ اور یورپ کی درندہ صفت طاقتوں نے تار تار کر دیا تھا۔

مگر یورپ کے لئے صدمہ یہ تھا کہ مصطفےٰ کمال احمق کیوں نہیں۔

مصطفےٰ کمال جب مذہبی عصبیت کو اس وقت کام میں نہیں لا سکتا تھا تو اس نے نسلی اور وطنی عصبیت سے کام لیا۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہوا۔ ترکوں نے خود کو ایک مستقل قوم سمجھا۔ اور جس قدر آلائش صدیوں سے اس قوم میں سرایت کر گئی تھی اُس کو خارج کر دیا۔

لیکن کیا مصطفےٰ کمال کو واقعی مذہب سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ اور مسلمانوں کے اجتماع کو وہ پسند نہ کرتا تھا۔ اس کا جواب اس کی زندگی کا وہ سب سے بڑا کارنامہ ہے جس کو آج میثاق سعد آباد کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس میثاق کے ذریعہ سے اُس نے افغانستان، ایران، عراق اور ترکوں کو اس طرح جکڑ بند کر دیا۔ خلافت عثمانیہ کا صحیح نقشہ پھر دنیا کے سامنے آ گیا۔

بیشک اس میثاق کو خلافت کے نام سے تعبیر نہیں کیا گیا۔ فیڈریشن اس کا نام رکھا گیا۔ مگر

کیا اسلام کا مطالبہ بھی معنوی حیثیت سے پورا نہیں ہوا۔

اس کے جواب میں ہم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ارشادات کا خلاصہ پیش کئے دیتے ہیں۔ جس سے معلوم ہو جائے گا کہ امامت یا خلافت عظمیٰ سے اسلامی اصطلاح میں کیا مراد ہے؟ حضرت شاہ صاحب حجۃ البالغہ میں "ارتفاق رابع کے تحت میں بیان فرماتے ہیں۔

جب ہر سلطان کا ایک علیحدہ علاقہ ہوگا اور اس کے پاس فوجیں اور قسم قسم کی طاقتیں فراہم ہوں گی۔ تو مختلف ممالک کے باشندگان کے مختلف مزاج اور مختلف استعداد و خواہشیں۔ ایک دوسرے پر ظلم وجور اور تغلب کا قصد کریں گی۔ تو ضرورت ہوگی کہ ایک خلیفہ ہو۔ جس کے پاس اتنی طاقت ہو کہ غنیم کا اس پر قابو پالینا ناممکن اور محال ہو۔ ص ۴۸ ج ۱ مطبوعہ بھوپال

آج میثاق سعد آباد کیا اس ضرورت کو پورا نہیں کر رہا۔ اور کیا اس کا منشا اس کے سوا کچھ اور ہے۔ ہاں بیشک مصطفےٰ کمال نے برطانیہ عظمیٰ کی طرح یہ نہیں چاہا کہ کمزور طاقتوں کو ہڑپ کر جائے بلکہ اس کی خواہش یہ تھی کہ ہر کمزور اپنے فطری نشو و نما سے طاقتور بن کر چیرہ دست اور ظالم حکومتوں کے مقابلہ میں ایک معدلت پسند فیڈریشن کا جز بنے۔

اس نے اس نظریہ کو نہ صرف مسلم حکومتوں کے لئے استعمال کیا بلکہ یونان اور بلقان جیسی ریاستوں کے لئے (جو درحقیقت اس کی غدار ریاستیں تھیں) اس نظریہ کو کام میں لایا۔ یہی سبب ہے کہ آج دنیا کا ہر ایک کمزور ہر ایک انقلاب پسند مصطفےٰ کمال کو رو رہا ہے۔

"سٹالن تار دیتا ہے"

کمال پاشا میری روح تھے۔ میری آنکھ تھے۔ میرا قلب و جگر تھے۔ آہ میرا رفیق میرا بھائی مجھ سے چھن گیا۔ اور میری روح پژمردہ ہوگئی۔ قومی گزٹ مورخہ ۶ دسمبر ۳۸ء ص ۹۴/۹۶

جنرل چیانگ کائی شیک۔ چین سے تار دیتا ہے۔

کمال پاشا کی بے وقت موت سے میں اپنی مصیبتوں کو بھی بھول گیا۔ وہ میری امیدوں کا آخری سہارا تھے۔ وہ مظلوم چین کے لئے اپنے سینے میں درد رکھتے تھے۔ صرف میں ہی نہیں بلکہ چین کا ہر فرد۔ ہر مظلوم اور ہر باشندہ غازی کمال پاشا کے لئے اپنے سینے میں درد رکھتے تھے۔ صرف میں ہی نہیں بلکہ چین کا ہر فرد۔ ہر مظلوم اور ہر باشندہ۔ غازی کمال پاشا کے لئے ماتم کناں ہے ہم ان کے تھے اور وہ ہمارے تھے۔ خدا ان کی روح کو نعم پر نازل کرے اور وہ روحانی طور پر ہماری قیادت فرمائیں۔ قومی گزٹ مورخہ ۷ دسمبر ۳۸ء

مصطفےٰ کمال نے جس طرح دنیا کی کمزور طاقتوں کی پشت پناہی کی اس نے خصوصیت سے اسلامی اتحاد و اتفاق کے نظریہ کو انتہائی عروج پر پہنچایا۔ اور اس کے لئے اس نے اس بغض اور کینہ کو اپنے وسیع سینہ سے قطعاً نکال دیا۔ جو عرب کی گزشتہ غداری کی وجہ سے ایک ترکی کے سینہ میں ہونا چاہئے تھا۔

اس کی وفات کے حالات دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھے جائیں گے۔ جن کو ہم ذیل میں "وحدت" مورخہ ۷ رشوال ۵۷ھ ۳۰ رنومبر ۳۸ء نمبر ۲۳ سے نقل کرتے ہیں اور جن کے مطالعہ کے بعد ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ خدا نے مصطفےٰ کمال کو ایک کامل مجاہد بنا کر پیدا کیا تھا۔ اور اس سے وہ کام کرانا چاہتا تھا جو اپنے پاک بندوں سے کرایا کرتا ہے۔

اور اسی لئے ہم پورے اخلاص سے خدا کے سامنے گڑگڑا کر بھی دعا کرتے ہیں کہ ۔ خداوندا۔ مصطفےٰ کمال کو اپنے ہاں اعلیٰ مرتبے عنایت فرما۔ اور اس سے جو کچھ فروگزاشتیں ہوئی ہوں معاف فرما۔ اور شہادت عظمےٰ کے بلند مرتبہ سے اُس کو سرفراز کر۔ آمین ثم آمین۔

وحدت عرب کے متعلق مصطفےٰ کمال کی جد و جہد ذیل کے مقالہ سے ملاحظہ فرمائیے۔ جو بغداد کے اخبار "البلاد" کے نامہ نگار کے حوالہ سے وحدت میں ترجمہ کیا گیا ہے:۔

نامہ نگار مذکور لکھتا ہے کہ کل شام کو اس خبر سے سارے استنبول میں تہلکہ پڑ گیا کہ اتاترک کی حالت پھر بگڑ گئی۔ اور مرض نے دوبارہ حملہ کیا۔

میں نے کئی گھنٹہ دول باغچے کے چکر کاٹے۔ مگر کچھ تفصیل نہ معلوم ہو سکی۔ البتہ ایک فوجی افسر سے اتنا معلوم ہوا کہ اتاترک پر دوبارہ فالج گرا۔ آج صبح کو اتفاقاً ان کا ملازم خاص مل گیا جس نے مجھے بتایا کہ اگرچہ ڈاکٹروں نے سخت تاکید کر دی کہ اتاترک سوا مہینہ تک کوئی دماغی محنت نہ کریں۔ مگر یہ شہید وطن و ملت کب خاموش بیٹھنے والا تھا۔ صحت یابی کے دوسرے ہی روز اس نے سرکاری کاروبار کی انجام دہی پہلے سے زیادہ انہماک کے ساتھ شروع کر دی۔ اور بحری فوج کے بندوبست و انتظام کا سارا پروگرام خود مرتب کیا۔ رشدی آر۔ ایس اگر منع بھی کرتے تھے تو اتاترک یہ جواب دیتے تھے کہ بیکار بیٹھنے سے تو یہ اچھا ہے کہ میں وطن و ملت کی خدمت ادا کر کے مر جاؤں۔

یمن۔ نجد اور شام کے وفد سے گفتگو

پرسوں۔ حجاز اور یمن کا ایک وفد عبداللہ عزروع کی سرکردگی میں آیا۔ اگرچہ بظاہر مزاج پرسی

کے لئے آیا تھا۔ لیکن اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ یمن۔ شام۔ نجد و حجاز کو معاہدہ سعد آباد میں شریک کیا جائے۔ مصطفٰے کمال ان سے دن بھر باتیں کرتے رہے۔ اور سامان حرب کی فراہمی نیز جنگی جہازوں کی تیاری کے متعلق ان کو مشورہ دیتے رہے۔ اور اس کام میں اس قدر مستغرق رہے کہ دن بھر قہوا بھی نہ پیا۔

توفیق رشدی آر۔ ایس نے دوبارہ عرض کیا کہ ذرا آرام لے لیجئے تو اتاترک نے یہ جواب دیا کہ زندگی کا ہر لحظہ بڑا قیمتی ہی۔ معلوم نہیں کہ سانس کب رک جائے۔ چنانچہ معاہدہ مرتب کیا اور شام کے بعد جبکہ روشنی ہو گئی تھی۔ معاہدہ کی کاپی صاف ہو کر پیش ہوئی اتاترک نے سب سے پہلے اپنی شرائط پیش کئے۔ اور یہ الفاظ زبان سے ارشاد فرمائے کہ:۔

"خدا کا شکر ہی کہ اتحاد اسلامی کا پروگرام مکمل ہو گیا جو خداوند عالم نے میرے سپرد کیا تھا"

عربی ارکان وفد نے اپنے دستخط کر دئے۔ تو اتاترک دوسرے کمرہ میں چلے گئے۔ وہاں انہوں نے انگڑائی لی جس سے چکر آ گیا اور وہ کرسی پر گر پڑے۔ میں نے دوڑ کر توفیق رشدی کو خبر کی وہ گھبرائے ہوئے اندر آئے تو اتاترک پر تشنج کا دورہ شروع ہو گیا تھا۔ توفیق پاشا نے ڈاکٹر دیگنر کو اطلاع دی جو باغیچہ کے بیرونی جانب اقامت گزیں تھے۔ اور دوسرے ڈاکٹروں کو بھی فون کیا۔ انہوں نے آ کر انجیکشن دئے۔ اور سر پر یوڈی کلون کا پھایا رکھا۔ مگر تشنج کے دورے میں کمی نہ ہوئی۔

جس وقت دورہ پڑتا تھا تو رگ رگ پھڑکنے لگتی تھی۔ ساری رات اسی بیقراری میں گزری ڈاکٹر انجیکشن اور مالش کا حکم دیتے تھے۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوتا تھا۔ صبح ہوتے ہوتے غرغرہ لگ گیا اور گھنٹہ بھر بعد اس مجاہد اسلام نے خداوند عالم کے جوار رحمت میں جگہ پائی۔

مسیحائے ترکی مصطفےٰ کمال پاشا کی مختصر سوانح حیات

(سید اختر اسلام)

گزشتہ دور میں ترکی کا کوکب اقبال گہن میں تھا۔ مگر کس قدر خوش قسمت ہے یہ بہادر قوم جس کو دست قدرت نے مصطفےٰ کمال جیسا آفتاب عنایت فرمایا۔ جس کی روشنی ہر قسم کے گہن سے صاف اور ہر ایک کسوف سے شفاف تھی۔ ترکی قوم گزشتہ صدیوں میں رہین درندوں کے مظالم کی آماجگاہ بنی رہیں اور بربادی کے بادل آسمان ترکی پر اُمنڈ امنڈ کر آتے رہے۔ مدت تک یورپین طاقتوں نے ترکی کو پریشان رکھا اور بلاد عربیہ کو ہضم کرنیکی جتنی تدابیر ممکن العمل تھیں کر دکھائیں۔ غالباً کسی دوسرے ملک کو اتنی صعوبتوں اور دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑا ہوگا۔ لیکن یہ ترکی کی خوش نصیبی ہے کہ ہر بار کوئی نہ کوئی ایسی شخصیت پیدا ہوتی رہی جس نے ترکی کو تباہی سے محفوظ کر لیا۔ اس کو دوبارہ زندگی بخشی۔ خلافت عثمانیہ کو اغیار کی دست وبرد سے بچایا۔ اور اغیار کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔ لیکن یورپ کی طاقتوں نے اپنی قوت کے زعم باطل میں پھر ایک بار ترکی پر قسمت آزمائی کی اور ۱۹۱۱ء میں طرابلس الغرب پر اٹلی نے زبردست حملہ کیا۔ لیکن فتح وکامرانی نے اس میں بھی ترکی ہی کے قدم چومے۔ اس کے بعد ہی جنگ بلقان میں ترکی نے اپنی شجاعت اور بہادری کے جوہر دکھائے اور بلغاریوں کی شورش کو دبا دیا۔ ابھی ترکی سپاہ تھکی ہاری ہی تھی کہ ۱۹۱۴ء کا خوفناک زمانہ آگیا۔ جس میں جنگ عظیم چھڑی۔ اس میں ترکی کو جرمنی کا ساتھ دینا پڑا۔ لیکن اس جنگ میں جرمنی کو اتحادیوں کے مقابلہ میں زبردست شکست ہوئی۔ اور اس مرتبہ ترکی کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ یورپ کی آنکھیں تو آسمان ترکی پر تھی ہیں۔ جونہی انہوں نے مطلع غبار آلود دیکھا۔ اور انہیں اس کا اندازہ ہوا کہ اس مرتبہ ترکی بہت کمزور ہو چکا ہے اور وہ آئندہ حملہ کی مدافعت نہ کرسکیگا۔ موقعہ غنیمت جانکر یونانیوں کو مشتعل کر دیا۔

جنگ عظیم کے بعد ترکی نیم جاں ہو چکا تھا۔ اور جہاں اُس کی فوجی طاقت کمزور ہوگئی تھی وہیں اسکی سلطنت کا بہت ہی معمولی رقبہ رہ گیا تھا۔ خلافت عثمانیہ پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ ایکی

مرتبہ خیال ہی نہیں بلکہ یقین کامل تھا کہ اس جنگ کے بعد ٹرکی اپنی زندگی کی آخری سانس لے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے گا- اور شوکت اسلامی کا چراغ یورپ سے ہمیشہ کے لئے گل ہوجائے گا- لیکن یہ کس کو معلوم تھا کہ مشیت نے خلافت عثمانیہ کے تحفظ کے لئے پہلے ہی سے ایک مسیحا کا انتخاب کر رکھا ہے- جو ٹرکی کو موت کے منھ سے نکال کر اس کو اتنا مضبوط اور مستحکم کر دیگا کہ اغیار کی دست برد تو درکنار بڑی سے بڑی طاقت اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی ہمت بھی نہ کرسکے گی- وہ ہستی' وہ مسیحا' ترکی جس نے اپنی بیپا کانہ جدوجہد سے ٹرکی کو تحت السرا سے اٹھا کر معراج ترقی پر پہنچا دیا- اور اپنی حکمت عملی سے نہ صرف ٹرکی کو ہی زندہ کیا- بلکہ دنیا کے سامنے ایک ایسی راہ عمل پیش کر دی کہ اگر کوئی مظلوم اور مقہور قوم اس راہ کو اختیار کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ ناکام رہے- وہ ہستی جس نے یورپین طاقتوں کو ہمیشہ کے لئے ٹرکی سے مایوس کر دیا- وہ مصطفےٰ کمال پاشا رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی تھی جو آج سے چند دن پہلے دنیا اسلام ہی کو کیا- بلکہ تمام دنیا انسانیت کو داغ مفارقت دیکر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایسی نیند سو گئی جس سے بیداری کے لئے صبح قیامت کی ضرورت ہے (نوراللہ مرقدہٗ)

مصطفےٰ کمال کی پیدائش کمال اتاترک غازی مصطفےٰ کمال پاشا رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۸۱ء میں بمقام سالونیکا پیدا ہوئے اور خدا کی شان کہ آسمان ٹرکی کا یہ درخشان ستارہ جس کے ہاتھوں ٹرکی کی قسمت پلٹنے والی تھی- وہ کسی شاہی خاندان یا کسی دنیاوی اعزاز والے خاندان کا فرزند نہیں تھا بلکہ وہ ایک معمولی گھرانے کا چشم و چراغ تھا- آپ کے والد محصلات کے محکمہ میں ایک معمولی افسر تھے اور آخر میں ملازمت چھوڑ کر لکڑی کی تجارت شروع کر دی تھی- انسان کی بدقسمتی اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کے والد کا سایہ بچپن ہی میں اس کے سر سے اُٹھ جائے جبکہ اُس نے دنیا کے نشیب و فراز کو اچھی طرح پہچانا بھی نہ ہو- اس بدقسمتی سے کمال اتاترک کو صغر سنی ہی میں دوچار ہونا پڑا- اس کے بعد آپ کچھ دنوں اپنے ماموں کے پاس دیہات چلے گئے- وہاں آپ بھی دیہاتی زندگی میں مبتلا ہو گئے یعنی کھیتی باڑی- لیکن آپ کی والدہ زبیدہ کو آپ کا اس طرح پھرنا گوارا نہیں تھا- چنانچہ انہوں نے مصطفےٰ کو سالونیکا کے ایک دینی مدرسہ میں داخل کر دیا- مصطفےٰ کمال نے دینی تعلیم ابتدائی اور ثانوی وہیں حاصل کی-

لیکن کیونکہ مصطفےٰ کمال سے خدا کو کچھ اور ہی کام لینا منظور تھا- اس لئے ابتدا ہی سے آپ کا فطری رجحان فوجی تعلیم کی طرف تھا- چنانچہ مصطفےٰ کمال عربی تعلیم کو چھوڑ کر خفیہ طور پر فوجی اسکول میں

داخل ہو گئے۔ اور آپ نے اپنی خداداد قابلیت اور استعداد سے وہ کمال حاصل کیا کہ آپکا شمار کالج کے ممتاز طلبہ میں ہونے لگا۔ خاصکر ریاضی میں تو ایسی زبردست قابلیت دکھلائی کہ اساتذہ نے آپ کو بار بار آفریں[1] دی۔ حتیٰ کہ آپکے ریاضی کے استاد نے جن کا نام بھی اتفاق سے مصطفےٰ ہی تھا آپ کی ظاہری اور باطنی خوبیوں اور ریاضی میں کمال حاصل کرنیکی وجہ سے آپکے نام کے ساتھ "نامق کمال بک" کی یادگار کے طور پر لفظ کمال بڑھا دیا۔ اور مصطفےٰ اب مصطفےٰ کمال ہو گئے۔

سالونیکا کے مدرسہ حربیہ کا نصاب پورا کر کے مناستر کے اعلیٰ فوجی مدرسہ میں داخل ہوئے۔ یہاں کا نصاب پورا کرنے کے بعد آپ آخری تعلیم حاصل کرنے کے لئے آستانہ (قسطنطنیہ) پہنچے۔ اور جامعہ حربیہ میں داخل ہو گئے۔ وہاں دو سال کا کورس ختم کیا۔ اسی اثنا میں شہید حریت نامق کمال بک کے ڈرامہ موسومہ "وطن" کا خفیہ طور پر مطالعہ کیا چونکہ یہ ڈرامہ ضبط شدہ تھا۔ اس کے دیکھنے کے بعد آپ کو وطنی سیاست سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اور آپ کو سلطان عبد الحمید خاں کے مطلق العنانانہ طرز حکومت پر سخت اعتراض ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے معتمد اور مخصوص ساتھیوں کو اپنا ہم خیال بنایا۔ اور ایک خفیہ انجمن کی بنیاد ڈالی۔ جس کا نصب العین سلطان عبد الحمید خاں کے استبدادی نظام حکومت کے خلاف جدو جہد کرنا تھا اور ساتھ ہی ساتھ انجمن کا ارگن ایک قلمی اخبار بھی نکالا۔ جس کی ادارت آپ کے ہی ذمہ تھی۔ اگرچہ اس کا علم کالج کے پرنسپل کو ہو گیا تھا۔ لیکن مصطفےٰ کمال کی ہر دلعزیزی کی وجہ سے کوئی باز پرس نہیں کی گئی۔

سن ۱۹۰۲ء میں آپ کی تعلیم مکمل ہو گئی اور آپ لفٹننٹ کے عہدے پر فائز کر دئے گئے اور قسطنطنیہ ہی میں اسلام بول محلہ میں اقامت پذیر ہو گئے۔ تاکہ خالی اوقات میں انجمن کا کام بھی کر سکیں۔

مصطفےٰ کمال کی پہلی بار گرفتاری اور دوست کی سازش دوران قیام میں آپ کے ایک قدیمی دوست فتحی بک جو ایک فوجی افیسر تھے اور فوج سے نکال دئے گئے تھے مصطفےٰ کمال سے ملاقات کرنے آئے اور اپنی داستان غم سنائی۔ مصطفےٰ کمال اس سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ مصطفےٰ کمال نے اس کا تذکرہ انجمن کے اراکین سے کہا اور اُن سے

[1] ترکی میں طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لئے اس قسم کے تمغے دیے جاتے ہیں جن کو آفریں کہا جاتا تھا۔

اس بات کی اجازت لیلی کہ فتحی بک رات کو انجمن کے دفتر ہی میں سو جایا کریں۔ فتحی بک کا قیام دفتر میں دو دن تک رہا۔ تیسرے دن پولیس نے دفتر پر چھاپہ مارا اور ایک معزز دوست اسماعیل حقی بک گرفتار کر لئے گئے۔ اس گرفتاری سے اگلے روز انجمن کے تمام اراکین معہ مصطفےٰ کمال پاشا کے گرفتار کر لئے گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ساری کارستانی فتحی بک کی ہے۔ اور یہ انسپکٹر تعلیم اسمٰعیل پاشا کا جاسوس تھا۔ چند روز بعد سلطان کے دربار میں مقدمہ پیش ہوا۔ اور آپکو کالج کی سرگرمیوں کے سلسلہ میں سزا ہو گئی۔ اور تقریباً سوا چار ماہ جیل میں رہنا پڑا۔

ملازمت۔ جلاوطنی اور خفیہ انجمن کا قیام | کچھ مدت کے بعد وزارت جنگ نے ارکان حربیہ کے تمام کامیاب طلبہ کو جن میں کہ مصطفےٰ کمال بھی تھے بلایا۔ اور سب کو ملازمت دیدی گئی۔ کچھ طلبہ کو ایڈریانوپل اور کچھ کو سالونیکا متعین کر دیا۔ لیکن اس زمانہ میں عام دستور کے مطابق جگہ اور مقام کا تعین قرعہ اندازی سے ہوا کرتا تھا۔ مصطفےٰ کمال کو یہ طریقہ پسند نہیں تھا چنانچہ انہوں نے اپنی مرضی سے جگہ کا تعین کر لیا۔ اور کچھ فوجی مستقر پر چلے گئے کچھ دوسرے مقام پر۔ حکومت کیونکہ ان لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونا خطرناک سمجھتی تھی اس تقسیم کی خبر سنکر گھبرا گئی۔ اور وزارت جنگ نے مصطفےٰ کمال کو جلاوطن کر کے شام بھیجدیا۔ دمشق کے قیام کے زمانہ میں آپ کی توجہ برابر آستانہ پر رہی۔ آپنے دیکھا کہ ٹرکی کی حالت برابر خراب ہوتی چلی جا رہی ہے۔ سلطنت کا فوجی اور سول نظام برباد ہو چکا ہے۔ چنانچہ آپنے ایک خفیہ انجمن "وطن" کے نام سے قایم کی اور اُسکی شاخیں بیروت۔ یافہ اور بیت المقدس میں قائم کر دیں۔ دمشق سے آپ کو جافہ بھیجدیا گیا۔ مصطفےٰ کمال کو خیال ہوا سیاسی کام کے لئے مقدونیہ کا علاقہ بہت زیادہ مفید ہے۔ لیکن مصطفےٰ کمال چونکہ زیر حراست تھے اور آپکو علاقہ شام سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ لہذا آپ نے اپنا لباس تبدیل کیا۔ اور سالونیکا پہنچ گئے۔ وہاں آپنے یورپین ترکوں میں سیاسی تحریک شروع کرنے کی کوشش کی۔ ابھی مصطفےٰ کے قیام کو چار ماہ نہیں ہوئے تھے کہ حکومت نے آپ کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا۔ مصطفےٰ کمال وہاں سے بھاگ نکلے۔ اور کچھ عرصہ کے لئے حکومت ان کو بھول گئی۔

واپسی | ۱۹۰۸ء میں ساڑھے تین سال بعد آپ سالونیکا واپس آئے۔ وہاں دیکھا کہ انجمن . . . کا نام بدل دیا گیا ہے اور اب وہ انجمن اتحاد و ترقی کے نام سے موسوم ہو گئی۔ اور اب انجمن کی انقلابی سرگرمیاں بھی علانیہ طور سے ہونے لگیں۔ اور اراکین انجمن انجمن کا پروگرام پھیلانے

کے لئے میدان میں نکل آئے۔ بالآخر یہ سرگرمیاں رنگ لائیں۔

سلطان عبدالحمید خاں کی معزولی ۱۹۰۸ء میں اتوار کے دن سلطان عبدالحمید خاں معزول کر دئے گئے۔

باہمی اختلاف مصطفےٰ کمال کی سیاسیات سے کنارہ کشی و جنگی کارنامے

۱۹۰۸ء میں انقلاب کے بعد مصطفےٰ کمال اور انجمن کے ارکان میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا جس کا سبب سیاسی تحریکات میں فوج کی شرکت اور عدم شرکت تھا۔ مصطفےٰ کمال کا نظریہ تھا کہ فوج کو سیاسی تحریکات سے بالکل الگ ... رکھا جائے۔ مصطفےٰ کمال نے زبردست احتجاج کیا لیکن وہ بیکار گیا۔ مصطفےٰ کمال نے سیاسیات سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور اپنی تمامتر کوشش اور توجہ فوجی زندگی کے بنانے میں لگا دی اور زبردست ترقی کی۔

نوجوان افسر آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اگرچہ کچھ بڑے افسروں کو آپ پر اعتبار نہیں تھا۔ ۱۹۱۱ء میں طرابلس پر اٹلی نے حملہ کر دیا۔ آپ بھی طرابلس تشریف لے گئے اور وہاں آپ کو میجر کا عہدہ ملا۔ اسی اثناء میں جنگ بلقان شروع ہو گئی تھی اور آپ کی طرابلس سے واپسی تک جنگ ختم بھی ہو گئی لیکن جولائی ۱۹۱۳ء میں جنگ بلقان پھر شروع ہو گئی اس وقت آپ کو فوجی اسٹاف کا چیف بنا دیا گیا۔

جنگ ختم ہونے پر آپ دارالخلافہ (قسطنطنیہ) پہنچے۔ وہاں چند ہفتوں کے بعد پایہ تخت بلغاریہ میں آپ کو ترکی سفیر مقیم صوفیہ کا فوجی اتاچی مقرر کر دیا گیا۔ جہاں سال بھر تک آپ اسی خدمت پر مامور رہے۔ اتنے میں ۱۹۱۴ء کا زمانہ آیا۔ یورپ کی عالمگیر جنگ چھڑ گئی۔ اور حکومت ترکی جرمنی کے ساتھ شریک جنگ ہو گئی۔ مصطفےٰ کمال ترکی میں جرمن اثر کے سخت مخالف تھے اور آپ کی رائے تھی کہ ترکی شرکت جنگ میں قبل از وقت ہے۔ جرمنی کی شکست لازمی ہے۔ لیکن باوجود اس کے کمال جنگ میں شریک ہو گئے۔ اور آپ کو آپ کے اصرار کرنے پر رنیڈسٹو میں کمانڈر بنا دیا گیا۔ اتحادیوں کی فوجیں دردانیال پر حملہ آور تھیں اور فوج کا کچھ حصہ جزیرہ نمائے گیلی پولی پر اتر چکا تھا۔ انفنترا کی پہاڑیوں پر قبضہ جمانے کے لئے جدوجہد جاری تھی اس لئے کہ اس پر قابض ہونے کا ثمرہ گیلی پولی اور قسطنطنیہ پر حکومت تھا۔

ترکی جمعیت بہت کم تھی۔ سامان حرب بھی ناکافی تھا۔ آدمیوں کی بھی کمی تھی اور جو سپاہ تھی وہ بھی تھکی ہاری۔ ادھر غنیم کی فوجوں نے گولہ باری شروع کر دی۔ چنانچہ ترکی فوجیں مقابلہ کی تاب

نہ لاکر گھبرا گئیں۔ اُن کے پیر اکھڑنے لگے۔ جرمن کے کمانڈر نے قسطنطنیہ کو خطرہ میں دیکھ کر اس کو خالی کرنے کا حکم دیدیا۔ لیکن مصطفٰے کمال آگے بڑھے اور جرمن کمانڈر سے کلی اختیارات لیکر اس فوج میں ہو گئے۔ جو دشوار ترین محاذ جنگ (انفترا) پر جنگ کر رہی تھی۔ اور چند روز کی گولہ باری کے بعد برطانوی فوجوں کے منصوبوں پر پانی پھر گیا۔ اُن کی لاکھوں کی مقدار میں ڈھیر ہو گئی۔ اور برطانوی افسر اس شیر ببر سے گھبرانے لگے۔ اور وہ ناکام ہو کر واپس ہو گئیں۔ لیکن درہ دانیال کے جنوبی حصہ پر ان کا قبضہ بدستور رہا۔ چنانچہ مصطفٰے کمال نے اپنے آپ کو شدید خطرہ میں ڈال کر درہ دانیال کو واپس لے لیا۔ جب آپ نے درہ دانیال کی زبردست مہم اپنے حسن تدبیر سے سر کر لی۔ اور ہر طرف اور نصرت کے شادیانے بجنے لگے۔ تو مصطفٰے کمال کو اس کے بعد دمشق بھیجا گیا۔ وہاں آپ کو اس مہم کے سر کرنیکے صلہ میں پاشا کا خطاب ملا۔ اور مصطفٰے کمال اب مصطفٰے کمال پاشا ہو گئے۔

اس کے بعد آپ نے دیاربکر کے اطراف وجوانب میں ڈویژن جرنل کی حیثیت سے روسیوں سے لڑائی لڑی اور ترک کے مقامات روسیوں سے واپس لے لئے۔

۳۰ راکتوبر ۱۹۱۸ء میں حکومت ترکی اور روسیوں کے درمیان مصالحت کی گفت و شنید شروع ہوئی اور ترکی نے دب کر صلح کر لی۔ مصطفٰے کمال چونکہ کسی کی اطاعت نہ چاہتے تھے۔ اس لئے وہ اس صلح نامہ سے کبیدہ خاطر ہو کر قسطنطنیہ پہنچ گئے۔ ابھی چھ مہینے امن سے گزرے تھے کہ ۱۹۱۹ء میں پھر ترکی کی باری اور تھکی فوج کو مقابلہ کے لئے میدان میں نکلنا پڑا۔ اور ۱۶ رمئی ۱۹۱۹ء کو یونانیوں نے سمرنا پر فوجیں اتارنی شروع کر دیں۔ اگرچہ ترکی فوجیں دس بارہ سال کی جنگوں میں پھنستے رہنے کی وجہ سے نیم جان ضرور ہو گئیں تھیں لیکن پھر بھی یہ کبھی نہیں گوارہ کر سکتی تھیں کہ ترکی پر کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھے۔ چنانچہ ترکوں کی رگ حمیت پھڑک اُٹھی۔ اور اس سرے سے لیکر اس سرے تک بجلی دوڑ گئی۔ ہر سپاہی وطن کے ناموس پر اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہانے کو آمادہ ہو گیا۔ مگر فوج کے تمام بڑے افیسران نے ہتھیار ڈالدئے تھے۔ لیکن بہادر اور شیر دل مصطفٰے کمال ہی ایک بطل حریت تھا جو بپھرے ہوئے شیر کی طرح مشتعل اور اس مہم کو سر کرنے کے لئے بیچین تھا۔ چنانچہ تمام فوج کی کمان مصطفٰے کمال کے سپرد کر دی گئی۔ اور آپ عرصہ تک مسلسل لڑتے رہے۔ سکاریا کی جنگ میں تو آپکو مسلسل بیس روز تک شبانہ روز جنگ میں مصروف رہنا پڑا۔ باوجودیکہ اس جنگ میں آپ کا

گھوڑا شدید زخمی ہو گیا تھا۔ اور آپ زمین پر گر پڑے۔ آپ کی ایک پسلی بھی ٹوٹ گئی تھی۔ لیکن پھر بھی آپ نے ہمت نہ ہاری اور اس وقت تک برابر ڈٹے رہے جبتک کہ غنیم کی فوجوں کو پیچھے نہ ہٹا دیا۔

معاہدہ مندروس اور ترکی کے حصے بخرے ۱۹۱۸ء میں مندروس کے مقام پر ایک صلح نامہ مرتب ہوا جس کی رو سے اختیارات کی باگ ڈور ترکی حکومت سے نکالکر برطانیہ۔ فرانس اور روس نے آپس میں تقسیم کر لی اور سلطان کو برائے نام کٹھ پتلی بنا کر مسند خلافت پر بٹھا دیا اور ٹرکی ایک محکوم ریاست کی حیثیت میں یورپین درندوں کے رحم وکرم پر رہ گئی۔ غرضیکہ ٹرکی کے متعلق موت کا اعلان ہو چکا تھا۔ اس وقت بھی مصطفٰے کمال ہی کی شخصیت تھی جس نے ٹرکی کو یورپین درندوں کے منھ سے نکالا۔

مصطفٰے الکمال نے جب یہ دیکھا کہ ٹرکی کے جان بلب جنازہ کو یہ درندے نوچ رہے ہیں۔ تو وہ فوراً اناطولیہ پہنچا۔ اور شبانہ روز کی جدوجہد سے اناطولیہ میں جنگ یورپ کی باقی ماندہ سپاہ اور کچھ مقامی سپاہ کو جمع کیا اور اپنے ملک کو اغیار کی دست وبرد سے بچانے کے لئے وطنی سپاہ تیار کی۔ مصطفٰے کمال کی ان سرگرمیوں کی خبر جلد ہی دارالخلافہ پہنچی کہ مصطفٰے کمال اتحادیوں کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ فوراً دارالخلافہ میں آپ کو طلب کیا گیا۔ لیکن آپ نے جانے سے انکار کر دیا اور استعفٰے لکھکر بھیجدیا۔ اس سے اتحادیوں کی پریشانی اور بڑھ گئی اتحادیوں نے خلیفہ کی طرف سے وارنٹ گرفتاری نکلوا دیا۔ لیکن مصطفٰے کمال کو گرفتار کرنے کی کسی کو جرأت وہمت نہیں ہوئی۔

انگورہ کانفرنس اناطولیہ کی وطنی تحریک اگرچہ ابھی ابتدائی دور میں تھی اور پھر وزارت اس کو فنا کرنے کی کوشش میں تھی۔ فتادے شائع کئے جاتے تھے تاکہ قوم اُن سے بدگمان ہو۔ اور اُن کی مخالفت پر آمادہ ہو جائے وزارت کی طرف سے جتنی امکانی شکلیں تحریک کو دبانے کی ممکن تھیں سب کر ڈالی گئیں۔ لیکن مصطفٰے کمال کے عزم میں باوجود ان شدید رکاوٹوں کے کوئی فرق نہیں آیا۔ بلکہ مخالفین کی مخالفت سے مصطفٰے کمال کا عزم اور بڑھتا ہی جاتا تھا۔ مصطفٰے کو یہی دُھن تھی کہ جس طرح بھی ہو ملک کو جلد اغیار کی دستبرد سے بچایا جائے یہی حال آپکے ساتھیوں کا تھا اسی اثنا میں آستانہ سے بھاگ کر اناطولیہ میں کام کرنے والوں کی کافی تعداد جمع ہو گئی تھی۔ جس سے تحریک کو زبردست تقویت پہنچی اور انگورہ میں تیسری کانفرنس منعقد کئے جانے کی رائے قرار پائی۔ تاکہ قواعد وضوابط سے انجمن کی بنیاد کو مضبوط کیا جا سکے۔ چنانچہ مصطفٰے کمال پاشا نے اعلان

کر دیا کہ ترکی قوم کے نمایندوں کا انتخاب کیا جائے تاکہ ایک وطنی جمعیۃ مضبوط اساس پر قایم کی جا سکے۔ اور وہ ملک کی نمایندہ حیثیت رکھے۔ چنانچہ ۲۳ ر اپریل ۱۹۲۰ء کو مصطفےٰ کمال پاشا کی صدارت میں جمعیۃ وطنی کا اجلاس ہوا۔ جس میں تقریباً تین سو پچاس نمایندے شریک ہوئے جن میں دو سو ستر اناطولیہ کے باشندے اور اڑسٹھ سابق عثمانی پارلیمنٹ کے ممبر تھے۔ جو آستانہ سے اناطولیہ آگئے تھے مجلس کا افتتاح جمعہ کے دن ۳ بجے دن کے مصطفےٰ کمال کی زبردست تقریر سے ہوا۔ اس اجلاس میں ٹرکی کے مقبوضات کا سارا انتظام مجلس وطنی کبیر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ مجلس کے ممبروں میں سے وزارت کا انتخاب کیا گیا۔ اور مجلس وطنی کبیر نے اس وزارت کو اپنا نمایندہ بنا کر عثمانی مقبوضات کا سارا انتظام اس کے سپرد کر دیا اور مصطفےٰ کمال پاشا کو اس تحریک کے کامیاب بنانے کے سلسلہ میں کلی اختیارات تفویض کر دئے۔ اور تمام ممبران نے اس بات کا اقرار کر لیا کہ ہم سب آپ کے اشاروں پر چلیں گے اور آپ کے احکام کی پوری پابندی کریں گے۔ آپ کو اختیار ہے کہ دشمنوں کو آپ جس طریقہ سے چاہیں وطن سے نکالیں۔

وطنی حکومت کی جنگیں | چنانچہ اس وطنی حکومت نے مشرق میں آرمینیا کی حکومت ایریوان سے جنوب میں فرانسیسیوں سے مغرب میں یونانیوں سے اور شمال مغرب میں ٹرکی کے کٹھ پتلی خلیفہ سلطان عبد الحمید کی حکومت سے مصطفےٰ کمال پاشا کی قیادت میں بیک وقت جنگ شروع کر دی۔ اور مصطفےٰ کمال پاشا نے اپنی حسن تدبیر سے ۹ ر ستمبر ۱۹۲۲ء تک یہ تمام فتوحات کر لیں۔ چنانچہ جمعیۃ مذکور کی طرف سے آپ کو غازی کا خطاب ملا۔

۲۳ ر ستمبر ۱۹۲۲ء کو غازی مصطفےٰ کمال پاشا مع اپنی فوجوں کے فاتحانہ حیثیت سے ازمیر میں داخل ہوئے اور یونانیوں کو حکم دیدیا کہ اناطول کو فوراً چھوڑ دیں۔

لوزان کانفرنس | ان تمام فتوحات کے بعد مصطفےٰ کمال پاشا نے پہلی توجہ مندروس ۱۹۱۸ء والے معاہدہ کی طرف کی۔ جس کی رو سے ٹرکی کو محکوم ریاست بنایا گیا تھا اور ۲۴۔ جولائی ۱۹۲۳ء کو لوزان کانفرنس ہوئی اس میں مندروس والا عہدنامہ چاک ہوا اور ایک جدید عہدنامہ مرتب ہوا۔ جس کی رو سے ٹرکی کو آزاد اور خود مختار حکومت تسلیم کر لیا گیا

جمہوریت کا اعلان اور مصطفےٰ کمال کا انتخاب | غرضیکہ جب ٹرکی کو بیرونی حملہ آوروں سے نجات مل گئی اور ہر طرف سے اطمینان ہو گیا تو ۲۹ ر اکتوبر ۱۹۲۳ء کو مجلس وطنی کبیر نے ٹرکی

حکومت کو جمہوری حکومت بنانے کا اعلان کر دیا۔ اور اتفاق رائے سے اتاترک غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا نام صدارت کے لئے انتخاب کیا گیا۔ انتخاب کی میعاد ۴ سال رکھدی گئی۔

مصطفےٰ کمال پاشا کی ہر دلعزیزی اور اُن کے وہ معجز نما کارنامے جو انہوں نے اپنی صدارت کے زمانے میں اور اس سے پہلے کئے۔ انہوں نے ٹرکی کو اتنا گرویدہ بنادیا کہ مرتے دم تک بلا مقابلہ صدارت آپ کو ہی ملتی رہی۔

اصلاحات اس انقلاب سے قبل ٹرکی کی حالت ہر اعتبار سے خراب تھی۔ کوئی شعبہ زندگی کا ایسا نہیں تھا جو ناقص نہ ہو۔ اور بدقسمتی سے جھوٹے اور دھوکے باز پیروں اور ملاؤں نے تو ٹرکی کی فضا کو اور بھی گندہ کر رکھا تھا۔ ہر طرف جہل و ناخواندگی کا دور دورہ تھا۔ سڑکیں مفقود، ریلیں ناپید، نہ شفاخانے تھے نہ تعلیم کے لئے مدارس تھے۔ نہ علمی ترقی کا کوئی سامان تھا۔ وبائی امراض کا دور دورہ تھا۔ بظاہر ان تمام باتوں کا اتنی سی مدت میں درست ہو جانا ناممکن تھا۔ لیکن مصطفےٰ کمال نے جس طرح ٹرکی کو بیرونی حملوں سے نجات دلائی اسی طرح اس نے ٹرکی کی اندرونی حالت کو بھی بالکل بدل دیا۔ آج ٹرکی کے باشندے تمام شعبۂ زندگی میں دنیا سے کہیں آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور ٹرکی کے باشندے اعلیٰ کیریکٹر کے مالک ہیں یہ سب کچھ مصطفےٰ کمال ہی کی بے لوث خدمت اور بے باکانہ جدوجہد کا ہی نتیجہ ہے۔ مصطفےٰ کمال نے اپنے عزم اور ارادہ میں حائل ہونے والی ہر قوت کو پاش پاش کر دیا۔ اور دنیا کے سامنے ایک زبردست نظیر قائم کر دی۔

اور خدا کی شان کہ مصطفےٰ کمال اپنے ساتھ کوئی حسرت اور ارمان لیکر نہیں مرے اُنکی روح قفس عنصری سے ایسی حالت میں پرواز ہوئی ہے کہ ٹرکی کا کوئی شعبہ ادھورا نہیں رہا جہاں تک مصطفےٰ کمال کی ذات کا تعلق ہے وہ تو کامیاب رخصت ہوگئے لیکن جہاں تک دنیائے اسلام کا مصطفےٰ کمال کی طرف احتیاج کا تعلق ہے وہ بدستور باقی ہے۔

غازی مرحوم کی وفات سے دنیاء اسلام کو جسقدر صدمہ پہنچا ہے وہ بیان سے باہر ہے بس اب اخیر میں ہماری مخلصانہ دعا ہے کہ غازی مرحوم کی قبر کو اللہ تعالیٰ نور سے بھردے اور دنیا کو غازی مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

اتاترک غازی علیہ الرحمۃ

(مولانا قدرت اللہ صاحب ہیڈ کاتب رسالہ قائد)

کہاں ہیں عزم کے پیکر خضر صفت غازی ۔ ہماری ڈوبتی کشتی سنبھالنے والے
ہراک سمت سے گھیرا تھا بھیڑیوں نے تجھے ۔ مثال بھیڑوں کے اُنکو ہنکالنے والے
نگل لیا تھا وطن کو نہنگِ مغرب نے ۔ یہ لقمہ اُس کے حلق سے نکالنے والے
پلائی ڈانٹ تو یورپ کو ہوگیا سکتہ ۔ لگام منھ میں درندوں کے ڈالنے والے
بزعمِ عزم جنہیں خوف ہو نہ کثرت سے ۔ وہی ہیں نام سلف کا اُچھالنے والے
بھلا یا سبحۂ و دستار کی فضیلت کو ۔ عمل جہاد کے سانچے میں ڈھالنے والے

زباں پہ سبکی یہی ہے کہ خاص رحمت سے
اسے نواز - دو عالم کے پالنے والے

قطعۂ تاریخ وفات غازیِ بے مثال مصطفےٰ کمال نوّر اللہ مرقدہٗ

(نتیجہ فکر جناب مولانا عبدالغفور صاحب محمودی رتنپوری)

تیرا کمال ہوگیا عالم میں آشکار ۔ تو مجمع کمال تھا اے مصطفےٰ کمال
ماتمکدہ بنا ہے ترے غم میں کل جہاں ۔ رحلت سے تیری سب کو ہوا رنج اور ملال
تیرے ہی دم قدم سے ہے ترکی کو یہ عروج ۔ دنیا میں تیری ہمت و جرأت تھی بے مثال
افسوس ہم سے ہوگیا تو جلد ہی جدا ۔ اسلامیوں کو تھی تری حاجت ابھی کمال
ترکی میں جانشیں ترا ہوتا رہے مدام ۔ جنت میں مرتبہ ترا عالی ہو لازوال

ہاتف نے شوق کہدیا تاریخ کے لئے
جنت میں تجھے لیگیا جا مصطفےٰ کمال

معذرت - کمال نمبر کے لئے کثرت سے نظمیں دفتر میں وصول ہوئیں لیکن قلت گنجائش کے سبب تمام نہیں دیجا سکیں - کچھ نظمیں رسالہ کی ترتیب کے بعد وصول ہوئیں - ہم اپنے قلمی معاونین کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اظہار معذرت کرتے ہیں (ادارہ)

مسٹر جناح صاحب کا پُراسرار معمہ اور اُس کا حل

مسلم لیگ کی تاریخ سیاہ (اول) - علماء ہند کی علیحدگی

شیخ الہند حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب کا بصیرت افروز بیان

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً - اما بعد میرے بعض احباب نے مسٹر محمد علی جناح کے اس بیان کی طرف متوجہ کیا جو کہ ۲۲- اگست سنہ حال کے بعض اخبارات میں حسب ذیل الفاظ سے شائع کیا گیا ہے

"مولانا حسین احمد کا یہ سارا بیان از سرتا پا غلط ہے"

"قائد ملت مسٹر محمد علی جناح کا باطل سوز بیان"

شملہ - ۱۹ اگست - مسٹر محمد علی جناح نے مولانا حسین احمد دیوبندی کی ایک تقریر کے سلسلہ میں جو آخر الذکر نے ۱۵- اگست کو غازی آباد میں کی تھی ایک بیان شائع کرایا ہے مسٹر محمد علی لکھتے ہیں -

مولانا حسین احمد کے متعلق میں نے سنا ہے کہ انہوں نے اپنی اس تقریر میں کہا - عام انتخابات کے موقعہ پر ہم نے مسلم لیگ کی اس لئے مخالفت نہ کی تھی کہ اس وقت ہمیں مسٹر جناح نے یقین دلایا تھا کہ مسلم لیگ کی پالیسی اب بدل گئی ہے اور مسلم لیگ اب آزادی کامل کی حامی ہے - لیکن انتخابات ختم ہو جانے کے بعد جب مسٹر جناح نے ہی یہ کہا کہ وہ گفتگو تو محض ایک سیاسی چال تھی تو ہماری آنکھیں کھل گئیں - مسٹر جناح تحریر فرماتے ہیں کہ یہ بیان از سرتا پا غلط ہے - ۱۹۳۶ء میں جمعیۃ العلماء ہند کے بعض ارکان کیوں مسلم لیگ کے ساتھ مل گئے تھے - اور لیگ کے امیدواروں کی انہوں نے کیوں تائید اور حمایت کی تھی اور پھر فوراً ہی وہ کیوں الگ ہو گئے میرے لئے خود یہ ایک پراسرار معمہ ہے جسے میں حل نہیں کر سکا"

مذکورہ بالا بیان کو دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی میرے لئے یہ تمام بیان ایک عجیب الشان

مایوس کن چیستاں ہو کر رہ گیا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ مسٹر جناح اور اُن کے مراسلہ نگاروں کی قوت حافظہ بالکل بے کار ہو گئی ہے اور شدت ماؤفیت کی بنا پر وہ صحیح حالات کے انکشاف کے خوف سے "بھٹکنے" جاتے ہیں۔ یا جان بوجھ کر یہ سب اُس یورپین ناپاک پروپگنڈے کے ماتحت عمل میں لایا گیا ہے جس کی مشق اہل لیگ الیکشن کے ختم ہونے کے بعد سے برابر کر رہے ہیں۔ دفعات ذیل ملاحظہ ہوں:

(الف) ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ اگست کو میں دیوبند ہی میں دن و رات مقیم رہا۔ کہیں باہر نہیں گیا۔ پھر غازی آباد میں میری تقریر ۱۵ اگست کو کس طرح ہوئی۔

(ب) کئی سال سے غازی آباد میں مجھ کو کسی سیاسی یا مذہبی تقریر کی نوبت ہی نہیں آئی اور باوجود وہاں کے متعدد حضرات کے تقاضوں کے مختلف اعذار کی بنا پر آج تک مجھ کو وہاں تقریر کرنے کا موقعہ ہی نہیں مل سکا۔ پھر اس افترا کے کیا معنے ہیں۔

(ج) بیشک ۱۲ اگست کو ناہل ضلع میرٹھ سے واپسی پر میں غازی آباد ہوتا ہوا دیوبند آیا تھا۔ مگر وہاں اس وقت اتنا موقعہ ہی نہ تھا کہ کوئی تقریر کی جاتی۔ گاڑی کا وقت بہت ہی قریب تھا۔ احباب نے ٹھہرنے اور تقریر کرنے پر اصرار ضرور کیا۔ مگر مصروفیتوں کی بنا پر آیندہ کسی وقت پر محول کرنا ہی ضروری سمجھا گیا

(د) غازی آباد کے علاوہ مختلف مقامات پر مجھ سے پوچھا گیا ہے کہ تو کیوں لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ میں الیکشن کے زمانہ میں شریک ہوا۔ اور کیوں آج علاحدہ ہے۔ تو میں نے یہ جواب ضرور دیا کہ ہم کو مسٹر جناح نے یقین دلایا تھا کہ ہم رجعت پسند اور خود غرض لوگوں سے تنگ آ گئے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ آہستہ آہستہ ایسے عناصر کو لیگ سے خارج کر دیں اور آزاد خیال ترقی پسند قومی اور مخلص لوگوں کی بھرتی کثرت سے کر کے اُن کی آواز کو قوی کر دیں۔ (یہ الفاظ یا ان کے ہم معنے جواب میں ہمیشہ کہے گئے۔)

(ہ) میں نے کبھی اور کسی مجلس میں وہ جواب نہیں دیا جو کہ مسٹر جناح کو اُن کے مراسلہ نگاروں نے پہنچایا ہے کہ مسلم لیگ کی پالیسی اب بدل گئی ہے۔ اور مسلم لیگ اب آزادی کامل کی حامی ہے۔ مجھ کو بخوبی معلوم ہے کہ مکمل آزادی کا نصب العین بہزار دقت اگست ۱۹۳۷ء میں لکھنؤ کے اجلاس میں پاس ہوا ہے (اگرچہ عرصے سے بہت سے غیور اور انتہا پسند مسلمان اس کے کوشاں تھے۔ مگر کامیاب نہ ہوئے تھے) اس وقت میں تو لیگ کا نصب العین فل ریسپانسبل گورنمنٹ ہی تھا جو کہ صرف داخلی آزادی تک ہی تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

بیشک مسٹر محمد علی جناح نے نہایت زوردار الفاظ اور طریقوں سے ہم کو اطمینان دلایا۔ کہ رجعت پسند طبقہ اور خود غرض لوگوں کو ہم آہستہ آہستہ لیگ سے نکالیں گے۔ اور آزاد خیال قوم پرست مخلص لوگوں کی اکثریت کی کوشش کریں گے۔ اور ایسے ہی لوگوں کے انتخاب کو عمل میں لائیں گے ہم نے بعد بحث و مباحثہ اس پر اطمینان کیا اور تعاون پر آمادہ ہوگئے۔ جس کی زوردار خواہش مسٹر محمد علی اور اُن کے رفقار کار کی اُس وقت تھی۔ مگر نہایت افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ الیکشن ختم ہوجانیکے بعد ہی جبکہ لکھنؤ میں بورڈ کی پہلی ہی میٹنگ ہوئی تو مسٹر محمد علی جناح نے اپنے تمام وعدوں کو بھلادیا اور انتہائی جدوجہد فرمائی کہ اگریکلچرسٹ پارٹی اور انڈیپنڈنٹ پارٹی کو لیگ میں شامل کرلیا جائے حالانکہ ایام الیکشن میں ان پارٹیوں کے ساتھ سخت مقابلہ کرنے کی نوبت آچکی تھی۔ دوران بحث میں جبکہ مولانا محمد میاں صاحب فاروقی الہ آبادی اور مولانا اسمٰعیل صاحب سنبھلی نے مسٹر جناح کو وعدے سابقہ یاد دلائے تو جواب میں فرمایا کہ وہ سیاسی وعدے تھے۔ یہ امور اور ان جیسے دیگر امور جن کو میں آئندہ ذکر کروں گا۔ ہمارے لئے سخت مایوسی کے باعث بن گئے اور یقین ہوگیا کہ ہم اس جماعت کے ساتھ نہ تعاون کرسکتے ہیں اور نہ اس میں اخلاص وللہیت ہے۔ اس لئے ہم کو صرف آلہ کار بنانے کی غرض سے بلایا تھا اور مقصد برآری کے بعد صرف رجعت پسندی اور خود غرضی کے ماتحت تمام کارروائیاں کریگی۔ اور مثل سابق سامراج کی موید ہوگی۔ لاحقہ اور سابقہ تجربے بتارہے ہیں۔ کہ مکمل آزادی کی آواز بھی صرف لفاظی ہی لفاظی ہے۔ عملی کارروائیاں اور اس راستہ میں قربانیوں سے جان چرانا اور فرقہ پروری اصول جمہوریت سے سرگردانی وغیرہ وغیرہ بتلا رہے ہیں کہ آئندہ کسی قسم کی امید اس جماعت سے بالکل ہی فضول ہے۔

مسٹر جناح فرماتے ہیں "کہ ۱۹۳۶ء میں جمعیۃ العلماء کے بعض ارکان کیوں مسلم لیگ کے ساتھ مل گئے اور لیگ کے امیدواروں کی انہوں نے کیوں تائید اور حمایت کی تھی اور پھر فوراً ہی وہ کیوں لیگ سے الگ ہوگئے۔ میرے لئے خود یہ ایک پر اسرار معمہ ہے جسے میں حل نہیں کرسکا" انتہائی تعجب خیز اور حیران کن ہے۔ کیا مسٹر جناح اور اُن کے رفقار کار مندرجۂ ذیل امور کا انکار کرسکتے ہیں۔

(الف) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ خود مسٹر جناح، مولانا شوکت علی، چودھری عبدالمتین چودھری خلیق الزماں صاحب، نواب اسماعیل خاں صاحب وغیرہ حضرات مارچ ۱۹۳۶ء کو

آیندہ الیکشن کے لئے بورڈ وغیرہ بنائیں بیقرار نظر آتے تھے - جلسے اور اجتماعات اس کے لئے
کیے جاتے تھے اور اُن میں غور کیا جاتا تھا کہ کس طرح اس میں حسب منشا کامیابی حاصل کیجا سکتی
ہے اور جس طرح یونیٹی بورڈ میں کوشش کر کے جمعیۃ العلماء کو داخل کیا گیا تھا - اور اس کی مختلف
جماعتوں میں صلح کرائی گئی تھی اسی طرح آیندہ بورڈ کے لئے اُن کی امداد و اعانت حاصل کرنیکی
مساعی کی جاتی تھیں - جس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ مسلم عوام پر جمعیت کے ارکین کا اثر تھا۔

(ب) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مسٹر جناح نے ارکین یونیٹی بورڈ کو مشورہ دیا کہ وہ زیر قیادت
مسلم لیگ مشترکہ بورڈ بنائیں جو کہ مسلم نیشنلسٹ پارٹی، جمعیۃ علماء، خلافت کمیٹی، احرار پارٹی
وغیرہ سب کو حاوی ہو - اس کے لئے جلسے خصوصی کیے گئے - اور ارکین جمعیۃ کو بار بار بلایا گیا
اور تبادلہ خیالات اور بحث و مباحثہ کی نوبت آئی - اور انتہا پسند جماعتوں اور اشخاص کو
متحد العمل بنانے اور لیگ میں شامل کرنے کی بلیغ سعی کی گئی۔

(د) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ دو تین اجتماع کے بعد قرار پایا کہ حسین احمد کو بلایا جائے
اور اُس کو اس مفاہمت میں شریک کیا جائے - اور باوجودیکہ بعض رجعت پسندوں نے
یہ کہا کہ ہم سبھوں کے ساتھ اشتراک عمل کر سکتے ہیں مگر حسین احمد کے ساتھ اشتراک عمل نہیں
کر سکتے - تاہم مجھ کو تار دیکر ملتان سے (جبکہ میں وہاں بعض جلسوں میں شرکت کی غرض
سے گیا ہوا تھا) بلایا گیا۔

(ہ) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ملتان سے میرے دہلی پہنچنے پر ارکین جمعیت کا اجتماع
مسٹر جناح کے کمرے میں جب کہ وہ نئی دہلی کے ایک ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے کرایا گیا جس
میں حسب ذیل حضرات شریک تھے :- مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء مولانا
احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلماء - مولانا سجاد صاحب نائب امیر الشریعہ بہار
مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی - حسین احمد راقم الحروف اور دیگر حضرات۔

(و) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ صبح کو تقریباً آٹھ بجے سے دس بجے تک تبادلہ خیالات
اور گفت و شنید ہوتی رہی - اور مسٹر جناح نے زور دیا کہ پارلیمینٹری بورڈ میں شریک ہو کر آپ
لوگوں کو الیکشن میں حصہ لینا اور عمدہ سے عمدہ آزاد خیال لوگوں کو امیدوار اور کامیاب
بنانا چاہئے۔ آپ لوگ اس وقت جبکہ آرڈیننس ایکٹ موجود ہے دوسری کوئی صورت
ملکی خدمات کی بجز اس کے کہ آزاد خیال قومی لوگوں کو الیکشن میں کامیاب بنائیں - اور اُن

کو اسمبلیوں کے لئے منتخب کریں نہیں کر سکتے۔ اور اس پر دیر تک بحث ہوتی رہی۔

(ز) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اراکین جمعیۃ نے جب یہ عذر کیا کہ ہمارا نصب العین کامل آزادی ہے اور لیگ کے اراکین بہت سے رجعت پسند خود غرض لوگ ہیں وہ برطانیہ کے ازلی وفادار اور بہت سے صرف ڈومینین اسٹیٹس تک چلنے والے ہیں۔ ہمارا ان کا اجتماع کیسے ہو سکتا ہے۔ تو زوردار طریقہ پر فرمانے لگے کہ مولانا ہر شخص کامل آزادی ہی کا عقیدہ رکھتا ہے۔ مگر مصالح وتقیہ کی بنا پر زبان پر نہیں لاتا۔ کامل آزادی دینے سے حاصل نہیں ہوتی۔ وہ صرف دھکیل دینے سے حاصل ہوگی۔ ہم بورڈ میں اکثریت قومی آزاد خیال مسلمانوں کی رکھیں گے۔

(ح) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مسٹر جناح نے اس مجلس اور اس کے پہلی کی مجالس میں نہایت زوردار الفاظ میں وعدہ کیا تھا کہ ہم مرکزی بورڈ اور صوبجاتی بورڈوں وغیرہ میں صرف آزاد خیال قومی لوگوں کی اکثریت رکھیں گے۔ ہم خود اس رجعت پسند اور خود غرض طبقہ سے تنگ آگئے ہیں۔ ہم پوری کوشش کریں گے کہ آہستہ آہستہ ان میں سے ایک ایک کو لیگ سے خارج کردیں۔

(ط) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ خود مسٹر جناح نے مرکزی بورڈ کے ۵۶ ممبروں میں سے (۲۰) ممبر صرف جمعیۃ العلماء اور احرار کے چنے تھے۔ جن میں صدر جمعیۃ اور ناظم صاحب اور میں بھی تھا۔

(ی) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مرکزی بورڈ کے ان اسامی میں ان اراکین جمعیۃ و احرار کا نام خود چن کر جب کہ وہ کشمیر میں تھے شائع کرایا۔ اور پھر لاہور کے اجلاس میں دعوتی خطوط بھیجکر سب کو بلایا۔

(ک) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ میری بلا خواہش اور اسی طرح بغیر خواہش صدر و ناظم جمعیۃ العلماء یہ نام چنے گئے اور پھر میرا نام بلا میری خواہش صوبہ یو۔پی کی مجالس میں بھی چنا گیا۔ اور باوجود ہر قسم کی مشکلات اور اعذار کے مجھے ورک (کام کرنے) اور ہر امیدوار کے حلقہ میں جانے کا حکم دیا گیا۔ جس کو میں نے بغیر کسی قسم کے لالچ اور نفع مالی کے انجام دیا۔ جس میں تقریباً ڈیڑھ ماہ کی تنخواہ دارالعلوم سے چھوڑ کر کام کرنا پڑا۔ اور مدرسہ سے بلا معاوضہ رخصت لینی پڑی۔

چونکہ میں پہلے جلسوں میں (جو کہ دہلی میں میرے ملتان سے پہنچنے کے پہلے ہوتے رہے تھے) شریک نہیں تھا۔ البتہ مولانا بشیر احمد صاحب کٹھوری شریک رہے تھے اس لئے ناظرین کے لئے میں ان کا بیان پیش کرتا ہوں جس سے امور مندرجہ بالا کی تصدیق ہو گی۔

محترم صدر مسلم لیگ مسٹر جناح سے ابتدائی جو گفتگو ہوئی اس کو سنکر معمولی تعلیم کا آدمی بھی

یہ نہیں کہہ سکتا کہ اراکین جمعیۃ بلا اطمینان حاصل کئے امیدواران مسلم لیگ کی تائید کے واسطے تیار ہو گئے تھے۔ صورت واقعہ یوں پیش آئی کہ ۲۹ مارچ ۳۶ء کو جبکہ جمعیۃ علماء صوبہ دہلی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ انہیں تاریخوں میں مسلم یونیٹی بورڈ کا اجلاس قیام گاہ سید مرتضیٰ بہادر ایم ایل۔ اے آف مدراس پر شروع ہوا۔ سب سے اول اس مسئلہ پر غور کیا گیا کہ چونکہ ہندوستان کے ہر صوبہ میں ایکٹ ۳۵ء کے مطابق الیکشن ہوں گے لہذا مسلم یونیٹی بورڈ کی شاخیں صوبہ وار اور ضلعوار کس طرح قائم کی جائیں تاکہ ہر جگہ سے امیدوار کھڑے کئے جا سکیں۔ چونکہ مسلم یونیٹی بورڈ کی ترکیب مختلف جماعتوں کے نمایندوں سے ہوئی ہے لہذا جس ضلع اور صوبہ میں وہ جماعت قایم نہیں ہے۔ وہاں کس طرح مسلم یونیٹی بورڈ قایم کیا جائے۔ بہت دیر تک بحث ہونے کے بعد اس پر غور شروع ہوا کہ اس مقصد کے واسطے کوئی دوسری جماعت بنائی جائے۔ چودھری عبد المتین (جو کہ جناح پارٹی کے بمنزلہ سکرٹری کے تھے) نے فرمایا کہ کسی دوسری جماعت کی ضرورت نہیں۔ مسٹر جناح مسلم لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن لڑانا چاہتے ہیں۔ آپ بھی اس میں شریک ہو جائیں۔ اس پر نواب اسمٰعیل خاں صاحب۔ چودھری خلیق الزماں صاحب نے فرمایا کہ مسٹر جناح کا ماحول ایسا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ چودھری عبد المتین صاحب نے فرمایا کہ جناح صاحب وعدہ فرماتے ہیں کہ میں آزاد خیال امیدوار لانا چاہتا ہوں۔ اس پر کہا گیا کہ یہ انکے قبضہ کی بات نہیں ہے اور وہ اس جماعت کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اسکی مولانا شوکت علی صاحب نے بھی تائید کی اور اس پر بہت دیر تک بحث ہوتی رہی۔ آخر یہ طے پایا کہ ایک وفد اسی وقت منتخب ہو جائے جو خود جناح صاحب سے اس کی گفتگو کرے۔ چنانچہ نواب اسماعیل خاں صاحب۔ مولانا شوکت علی صاحب چودھری خلیق الزماں صاحب سید محمد احمد کاظمی صاحب اور چودھری عبد المتین صاحب منتخب ہوئے ان حضرات نے گفتگو کی اور واپس ہو کر یہ فرمایا کہ جناح صاحب پوری جماعت کے سامنے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا اس غرض کے واسطے کل گیارہ بجے مولانا شوکت علی صاحب کی قیام گاہ پر جلسہ ہوگا اور اس میں جناح صاحب بھی شریک ہوں گے۔ چنانچہ دوسرے روز وقت مقررہ پر جلسہ ہوا۔ اس وقت جسقدر حضرات شریک تھے ان میں سے جو نام مجھ کو یاد ہیں تحریر کرتا ہوں مولانا شوکت علی صاحب، جناح صاحب، چودھری عبد المتین صاحب نواب اسماعیل خاں صاحب مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلماء مولانا عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی مولانا عبد الحامد صاحب۔ سید طفیل احمد صاحب منگلوری، سید محمد احمد صاحب

کاظمی، مولانا منظور النبی صاحب، بشیر احمد صاحب، سید ذاکر علی صاحب، چودھری خلیق الزماں صاحب۔ ان سب کی موجودگی میں گفتگو شروع ہوئی۔ معمولی بات چیت کے بعد بحث شروع ہوئی کہ آزاد خیال حضرات کا پارلیمنٹری بورڈ کس طرح بنایا جاسکتا ہے۔ اس دوران میں اولاً جناح صاحب نے ایک مفصل تقریر بھی فرمائی۔ اور بڑی قوت سے ظاہر کیا کہ میں ان رجعت پسندوں سے تنگ آگیا ہوں اور میں ان کو بالکل علیحدہ کردینا چاہتا ہوں۔ حتّٰی کہ خود جناح صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ یہ اس قسم کے رجعت پسند ہیں کہ میری پارٹی میں ہونے کے باوجود اسمبلی میں گورنمنٹ کی رائے دیتے ہیں۔ تب ان سے کہا گیا کہ جب مسلم لیگ میں اکثریت رجعت پسندوں کی ہے پھر کس طرح آزاد خیال بورڈ منتخب ہوسکتا ہے۔ حتّٰی کہ وہاں چودھری عبدالمتین صاحب نے ممبران کونسل مسلم لیگ کی فہرست پیش کی اور اس میں غور کیا گیا کہ آزاد خیال آدمی کس قدر ہیں اور رجعت پسند کس قدر۔ بہت سے نام گنائے گئے۔ تین نام مجھ کو یاد ہیں جن کو ظاہر کرکے بحث کی گئی۔ سر محمد یعقوب صاحب۔ سر محمد یامین خاں۔ مولوی مظہر الدین۔ خصوصیت سے جناح صاحب نے مولوی محمد یعقوب کو علیحدہ کرنیکو کہا۔ بہرحال یہ گفتگو ہوتی رہی اور سوچا جاتا رہا کہ کیا طریقہ آزاد خیال بورڈ کے بنانے کا اختیار کیا جائے۔ تب یہ ظاہر کیا گیا کہ اول تو رجعت پسندوں کی جماعت وہاں زیادہ جائے گی نہیں اور پھر یہ آزاد خیال آدمیوں کے لیجانیکی پوری سعی کی جائے۔ تب یہ بتلایا گیا کہ اکثر آزاد خیال آدمی مسلم لیگ کی کونسل کے ممبر ایسے ہیں جو بمبئی جانے کے مصارف برداشت نہیں کرسکتے۔ ان کی تعداد کا اور مصاریف کا اندازہ کیا۔ اس پر جناح صاحب نے وعدہ فرمایا کہ ایسے حضرات کے واسطے میں بمبئی جاکر ایک ہزار روپیہ بھیجوں گا۔ اس کے بعد خواہش تو سب بڑے آدمیوں کی تھی مگر تکلفاً کہنا پسند نہیں کرتے تھے کہ جناح صاحب سے وعدہ لیا جائے۔ چنانچہ میں اور مولانا عنایت اللہ صاحب قریب بیٹھے تھے اُن کے اشارہ پر میں نے عرض کیا کہ اور حضرات تو کہنا نہیں چاہتے میں آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اگر دوسری پارٹی بمبئی میں زیادہ پہنچ گئی تب آپ کیا کریں گے تو انہوں نے فرمایا کہ اس وقت آپ لوگ یہ کوشش کیجئے کہ پارلیمنٹری بورڈ بنانے میں مجھ کو تنہا اختیارات دیدئے جائیں چونکہ دوسری پارٹی بھی مجھ سے مطمئن ہے وہ اس میں اختلاف نہیں کریں گے۔ تب میں نے مکرر اُن سے کہا کہ احتمال تو یہ بھی ہوسکتا ہے۔ کہ ان کو ہمارے ان جلسوں کی خبر ہوجائے اور وہ آپ پر اعتماد نہ کریں۔ لہٰذا ہم کو تو یہ بتلایا جائے کہ اگر ہم یا آپ کسی طرح بھی اس میں کامیاب نہ ہوسکے کہ پارلیمنٹری بورڈ آزاد

خیال منتخب ہو تو پھر آپ کی پوزیشن کیا ہو گی ۔ اس پر بہت جوش کے ساتھ سینہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اگر میں کسی طرح بھی اس پر قادر نہ ہوا تو مسلم لیگ کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ آجاؤں گا ۔ اس پر بے انتہا خوشی کا اظہار کیا گیا ۔ اور سب حضرات نے فرمایا کہ ہم یہی چاہتے تھے ۔ اور نہایت پوری مسرت کے ساتھ جلسہ ختم ہو گیا "

مولانا بشیر احمد صاحب نے اپنے اس بیان میں جس چیز کا اظہار فرمایا ہے ۔ اور ہم نے جن امور کا تذکرہ کیا ہے اُن پر خود مسٹر جناح کا بیان (جو کہ انہوں نے بمبئی کرانیکل میں جون ۱۹۳۶ء کو شائع کرایا تھا) مع شئی زائد روشنی ڈالتا ہے ۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل الفاظ کے ساتھ ۵ فروری ۱۹۳۷ء کو "مدینہ" اخبار میں شائع ہوا تھا ۔

(۱) مسلم لیگ کی پالیسی کا مقصد ایک ایسے نظام کا بر روئے کار لانا ہے جس کے ماتحت ترقی پسند اور آزاد خیال مسلمانوں کے اعلیٰ ادارے متحد ہو جائیں ۔

(۲) مسلم لیگ موجودہ دستور سے بہتر ایسا دستور حاصل کرنے کے لئے جو سب کو پسند ہو گا کانگرس کا ساتھ دیگی اور حکومت پر دباؤ ڈالے گی ۔

(۳) مسلم لیگ اس اصول کو برقرار رکھتی ہے کہ بطور اقلیت مسلمانوں کو کافی تحفظ حاصل ہو ۔

(۴) اسمبلی میں لیگ تمام قومی معاملات میں کانگرس سے تعاون کرے گی اور اُسکے ساتھ رہیگی ۔

(۵) لیگ کے صدر کی حیثیت سے میرا خیال ہے کہ ایسے چالاک لوگوں کو جن کا مقصد حکومت کے ماتحت عہدے حاصل کرنا ہے ، اور جنہیں عوام کے حقوق ، ضروریات اور مفاد کی مطلق پروا نہیں سیاسی میدان سے نکال دیا جائے ۔

لیگ کے مینوفسٹو کی عبارت بھی مندرجہ بالا مضامین کی صاف طور پر تائید اور حمایت کرتی ہے (صفحہ ۸ ملاحظہ ہو)

مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات کے آغاز اور عمل سے مختلف طاقتیں پیدا ہوئیں اور بر سر کار آئیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو اختیار اُس آئین سے حاصل ہو سکتا تھا اس پر صوبوں میں قدامت پسند ، مائل بر رجعت عنصر نے اُس گروہ کے لوگوں کے اشتراک عمل کے ساتھ قبضہ کر لیا ہے جن کا مقصد صرف یہی ہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں عہدے اور جگہیں مل سکیں انہیں حاصل

کریں۔ یہ صورت گورنمنٹ کے مفید مطلب تھی۔ اس لئے ان دونوں گروہ کے لوگوں کی اس طرف سے خوب حوصلہ افزائی اور تائید ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ گروہ ترقی پسند اور سمجھدار اور آزاد خیال طبقہ کی راہ میں محض سنگ راہ ہی نہ بنا بلکہ بالعموم عوام اُن کے ہاتھوں لٹے۔ اس طرح رجعت پسند طاقتوں اور شہنشاہی طاقت کا دوہرا تسلط قایم ہوا۔ ہمارا صحیح نظریہ ہے کہ یہ تسلط ختم ہو۔

دوسرے مینوفسٹو میں جو کہ رکنیت قبول کرنے کے لئے ہر مجوزہ ممبر کے پاس یو۔ پی میں بھیجا گیا۔ مندرجہ ذیل الفاظ تھے :۔

مانٹیگو چیمسفورڈ اسکیم کے قیام اور عملدرآمد سے کچھ ایسی مختلف قوتیں پیدا ہوگئی ہیں جنھوں نے اپنا اثر صوبوں میں قائم کرلیا ہے اور انہیں جماعتوں کیساتھ ایسے اشخاص و افراد کی ٹولیاں بھی بن گئی ہیں جن کا مقصد و غرض سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ صوبوں میں جہاں کہیں اور جب کبھی بھی ممکن ہو بڑی بڑی سرکاری ملازمتوں اور جگہوں پر دست درازی کریں اور اُنپر اپنا قبضہ جمائیں۔ یہ تجویز چونکہ گورنمنٹ کے مقاصد کے معین ہے۔ لہذا ایسی جماعتوں کو ہر طرح کی مدد و حمایت گورنمنٹ سے ملی۔ جس سے یہ لوگ نہ صرف ملک کی اصلی ترقی و بہبود کے مزاحم ثابت ہو رہے ہیں۔ بلکہ سمجھدار اہل ملک کو ان کی خود غرضانہ حرکتوں سے نقصان پہنچ رہا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ جماعتیں اور یہ اشخاص گویا ملک میں اپنی ایک شخصی جابرانہ حکومت قائم کئے ہوئے ہیں۔ اور لیگ کا اصلی مقصد یہ ہے کہ اس جبر و استبداد کا پوری طرح انسداد بلکہ قلع قمع کیا جائے۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کے صدر اور ہائی کمانڈ نے اُنہیں قرار دیا تھا۔ نہ صرف اراکین جمعیتہ سے بلکہ تمام مسلمانوں سے اسی بات کا اظہار کیا تھا۔ کہ مسلم لیگ کی سابقہ پالیسی بدل گئی ہے۔ اب وہ رجعت پسندوں اور خودغرض لوگوں کو اپنے اندر دیکھنا نہیں چاہتی۔ اور نہ ان کے ساتھ اتحاد عمل کرنے کی روادار ہے۔ وہ ایسا نظام بنانا چاہتی ہے جس میں ترقی پسندوں اور آزاد خیال مسلمانوں کے اعلیٰ ادارے متحد ہو جائیں۔ وہ رجعت پسندوں اور خودغرضوں کو (جن کی اکثریت لیگ میں چلی آتی تھی۔ بلکہ تقریباً سب کے سب ممبر لیگ اُس زمانہ میں ایسے ہی رہ گئے تھے (خلافت کمیٹی کے بعد سے) آزاد خیال مسلمان تقریباً سب کے سب علیحدہ ہو گئے تھے) ترقی پسند، سمجھدار، آزاد خیال طبقوں کی راہ میں سنگ راہ سمجھنے لگی ہے۔ یہی

مرتبہ مسٹر جناح بورڈ کے ممبروں کو زوردار طریقہ پر دباتے رہے۔ ممبروں کے پروٹسٹ و احتجاج کو کسی کسی طرح نہ مانا۔ بالآخر ممبران بورڈ جب کہ اس حجم پر گئے کہ اُن کو انفرادی طور پر لے سکتے ہیں جماعتی طور پر نہیں اور صرف انہیں کو لے سکتے ہیں جن کی گزشتہ زندگی غیر اطمینان بخش نہ ہو تو اس بات کو معلوم کر کے وہ لوگ خود ہٹ گئے۔ بہرحال مسٹر جناح نے اپنی کوششوں میں کوئی کمی نہیں کی اور انتہائی زور دیا کہ ضرور بالضرور تمام مسلم کنڈیڈیٹس کو لیگ پارٹی میں بحیثیت جماعت داخل کر لیا جائے۔ حالانکہ ان دونوں جماعتوں کا مجموعہ لیگ پارٹی سے زیادہ ہوتا تھا۔ بنا بریں قوی خطرہ تھا کہ یہ جماعت اپنی من مانی باتیں اپنی اکثریت کی بنا پر پاس کر لیا کریگی۔ اور لیگ پارٹی کو ہمیشہ نیچا دیکھنا پڑیگا۔ اسی بحث و مباحثہ میں مسٹر جناح سے کہا گیا کہ آپ نے تو یہ ظاہر فرمایا تھا کہ ہم رجعت پسند اور خودغرضوں کو سیاسات کے میدان اور لیگ سے خارج کر دیں گے اور بجائے اُن کے آزاد خیال ترقی پسند مخلص لوگوں کو لیگ میں بھرتی کریں گے تو مسٹر جناح نے فرمایا کہ وہ سیاسی وعدے تھے۔ خلاصہ یہ کہ رزولیوشن ان پارٹیوں اور ان کے ممبروں کے متعلق عمومی رنگ میں پاس ہوا اور مسٹر جناح نے یہ تجویز اس شرط پر پاس کرائی کہ اگر بلکہ پرسٹ پارٹی کے جتنے ممبر آنا چاہیں گے وہ بہرحال لے لئے جائیں گے۔ اسی تجویز اور اس قسم کی دوسری باتوں کی بنا پر ۲۷ رمارچ کو ورکنگ کمیٹی کا دوسرا اجلاس کرنا پڑا۔ اور ایجنڈے میں منجملہ دیگر تجاویز نمبر دو یہ تجویز درج کرنی پڑی۔

(۲) مسلم لیگ پارلیمنٹری پارٹی کی اس تجویز پر غور جو اس نے اُن منتخب شدہ مسلم ارکان اسمبلی کو پارٹی میں شریک کرنے کے متعلق منظور کی ہے جو لیگ کے ٹکٹ پر انتخاب کے لئے نہیں کھڑے ہوئے تھے۔ ایجنڈا (از دفتر مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ صوبہ متحدہ لکھنؤ مورخہ ۱۰ مارچ ۳۸ء)

ناظرین غور فرمائیں کہ یا تو پرزور طریقہ پر اعلانات اور وعدے کئے گئے تھے کہ رجعت پسندوں اور خودغرضوں کو سیاسی میدان سے نکال دیا جائیگا۔ آزاد خیالوں اور مخلصوں کا یہ مجمع اور اس میں اکثریت ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر اب بالکل اس کے خلاف زور دیا جا رہا ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اُن کو داخل کیا جائے۔

(۲) یکم اپریل ۱۹۳۷ء (جو کہ ایکٹ ۳۵ء کے شروع کا دن تھا) کے متعلق مسٹر جناح نے تمام لیگ کمیٹیوں وغیرہ کے نام اعلان کیا کہ اس دن ہڑتال نہ کی جائے۔ حالانکہ بہت پہلے سے کانگرس اور جمعیۃ نے تمام ملک میں ہڑتال کا اعلان کر دیا تھا۔ جبکہ ہڑتال کا مقصد اصلی

اظہار ناراضی اور نفرت ہوا کرتا ہے۔ جو کہ عملی طور پر اس کے لئے بمنزلہ رہبری ہوتا ہے اور اس ایکٹ کا قابل نفرین ہونا کھلے ہوئے الفاظ میں مسٹر جناح اور ان کی لیگ کر چکی تھی تو پھر ہڑتال سے روکنا بجز رجعت پسندی اور وعدہ خلافی اور کیا معنی رکھ سکتا ہے۔ مینوفسٹو کے اندر جو الفاظ درج ہیں ملاحظہ ہوں۔

لیگ جہاں کمیونل ایوارڈ کو اس وقت کے لئے منظور کرتی ہے کہ فرقہائے متعلقہ اس کے کسی بدل پر متفق ہوں۔ وہ نہایت پُر زور طریقہ پر اس دستور کے خلاف احتجاج کرتی ہے جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی صورت میں ہندوستانیوں پر اُن کی مرضی کے خلاف مسلط کیا گیا ہے اور اس کے باوجود کیا گیا کہ انہوں نے بار بار ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور ملک کی مختلف جماعتوں اور انجمنوں نے اس کے خلاف اظہار ناراضگی کیا۔ لیگ کی یہ رائے ہے کہ ان حالات کے لحاظ سے جو ملک میں اس وقت پیدا ہیں دستور کی صوبجاتی اسکیم سے جتنا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے وہ حاصل کیا جائے اور اس کے باوجود کہ اس میں بہت سی قابل اعتراض باتیں موجود ہیں جن کی وجہ سے گورنمنٹ اور محکمہ انتظام کی تمام تفصیلات میں حقیقی اختیارات اور وزارت اور مجلس واضعان قانون کی ذمہ داری بے حقیقت رہ جاتی ہے۔ لیگ کی یہ صاف رائے ہے کہ ہندوستانی وفاق کا منصوبہ جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں درج ہے اساساً بُرا ہے اور رجعت پسندانہ ہے۔ مبتذل ہے اور برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں کے لئے مضر اور مہلک ہے۔ اور یہ اس غرض کیلئے تجویز کیا گیا ہے کہ ہندوستان کے محبوب مقصد کامل ذمہ دار حکومت کے حصول میں تاخیر ہو لہٰذا یہ بالکل اس قابل نہیں ہے کہ اس کو قبول کیا جائے۔

اس طرح غیر مبہم اور صریح الفاظ میں اس ایکٹ کے خلاف اظہار ناراضی کرنے کے بعد ہڑتال سے روکنا کیا کوئی معمہ باقی رہنے دیتا ہے۔ اور کیا مسٹر جناح اور لیگ ہائی کمانڈ کی ذہنیت کا پول صاف طور سے سامنے نہیں آجاتی۔

(۳) چونکہ گورنر یو۔پی نے رجعت پسندوں کی عارضی گورنمنٹ بنائی تو جناب صدر مسلم لیگ یو۔پی راجہ سلیم پور کیبنٹ میں داخل ہو گئے۔ اور وزارت پر فائز ہو کر مسلم لیگ

کی ذہنیت کا کھلا ہوا مظاہرہ فرمادیا۔

(۴) یو۔ پی مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی میں اسی وزارت عارضی پر عدم اعتماد کا ریزولیوشن پیش کیا گیا تو بمشکل تمام صرف ایک ووٹ سے پاس ہو سکا۔ اس سے صاف نمایاں ہے کہ ہائی کمانڈ ذہنیت کیسی ہے اور اُن کے نزدیک آمرانہ خیالی اور ترقی پسندی کی حقیقت کیا ہے۔

(۵) اسی میٹنگ میں مولانا شوکت علی صاحب نے اس عارضی وزارت پر عدم اعتماد کی تحریک کی مخالفت فرمائی جس سے اُن کی ذہنیت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

(۶) صدر پارلیمنٹری بورڈ یو۔ پی مہاراجہ سلیم پور نے لیگ سے کھلی ہوئی غداری کی اور جا کر کیبنٹ میں وزارت پر فائز ہو گئے۔ چاہئے یہ تھا کہ ان کا لیگ سے اخراج کیا جاتا۔ مگر پارلیمنٹری بورڈ کے اجلاس میں جو کہ وزارت کے عرصہ کے بعد منعقد ہوا تھا۔ اُن کا استعفا پیش کیا جاتا ہے۔ اور وہ قبول کر لیا جاتا ہے۔ کوئی کارروائی ان کے خلاف نہیں کی جاتی (اور اس کے برخلاف جبکہ میرا استعفائی میں پیش ہو چکا تھا اگست میں بجائے اسکی قبولیت کے اخراج کا اعلان کیا جاتا ہے)

(۷) جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں جمعیتہ العلماء کے کارکن اور عہدہ دار پارلیمنٹری مسلم لیگ بورڈ میں اپنی خواہش سے داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ اُن کو باصرار داخل کیا گیا تھا اور انہوں نے جان توڑ کوشش کر کے مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنوایا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صرف اعلانات اور بیانات پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ عموماً امیدواروں کے حلقوں میں دورہ کر کے مسلم عوام پر زور اور اثر ڈال کر کامیابی حاصل کرائی تھی۔ مگر جب کہ بعض رزولیوشنوں کے پاس کرنے کے وقت مسٹر ظہیر الدین صاحب فاروقی اور دیگر بعض اراکین نے کہا کہ "جمعیتہ العلماء نے ہماری مدد کی ہے اور ہم اسکی وجہ سے کامیاب ہوئے۔ اس بورڈ کو ان کے خیالات کا اندازہ کر کے کوئی فیصلہ کرنا چاہئے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اُن کا خیال کانگریس کی تائید میں ہے"

تو مسٹر جناح نے تقریر کی اور اس میں کہا کہ "جمعیت کو یا احرار کو کانگریس کے داخلہ کے مسئلہ پر جب کہ یہ لوگ لیگ بورڈ میں داخل ہو چکے ہیں کوئی حق نہیں ہے اور یہ اُن کی انتہائی بے اصولی ہے" اس پر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی نے یہ کہا کہ ہم "صرف الیکشن کے لئے داخل ہوئے تھے اپنی پارٹیوں، عقیدوں، نصب العین کو نہیں چھوڑا تھا ہمیں ہر وقت اس کا اختیار ہے کہ ہم اپنی جمعیتوں کے لائحہ عمل پر غور کریں" اس پر مسٹر جناح نے پھر دہرایا اور زیادہ وضاحت سے تقریر فرمائی۔ جس کا

ماحصل یہ تھا کہ جمعیۃ کو سیاسیات میں رائے قائم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے - یہ تقریر نہایت تلخ اور جمعیۃ کے لئے انتہائی تذلیل کن تھی - ناظرین کو معلوم ہے کہ احرار پارٹی کے منتخب شدہ ممبران مرکزی پارلیمنٹری بورڈ سے تو اول سے ہی مشتبہ ہو گئے تھے اور صوبہ پنجاب کے لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے معاملات کو دیکھ کر تو وہ بالکل ہی علاحدہ اور مستقل ہو کر کارروائی کر رہے تھے - مگر جمعیۃ کے متعدد اراکین نے اخیر تک بہت زیادہ جانفشانی کی تھی تاہم وہ سب انفرادی طور پر تھی - جمعیۃ العلماء کے کسی اجلاس عمومی یا خصوصی یا اس کی ورکنگ کمیٹی نے بحیثیت جمعیت لیگ کی کسی جماعت میں داخلہ نہیں کرایا تھا اور نہ داخلہ کا رزولیوشن پاس کیا تھا - اگر بالفرض اراکین جمعیۃ کو کسی ایسے مسئلہ پر غور و خوض کا استقلالی طور پر حق نہیں ہو سکتا تھا تو صرف انہیں افراد کو نہیں ہو سکتا تھا جو کہ لیگ کی کسی جماعت میں داخل ہو چکے تھے نہ کہ جمعیۃ العلماء کو بحیثیت جمعیۃ - پھر مسٹر جناح کو حق نہیں تھا کہ وہ جمعیۃ کے طرز عمل پر نکتہ چینی کریں - علاوہ ازیں اُن کا یہ ارشاد کہ جمعیۃ کو سیاسیات میں رائے قائم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور وہ بھی تذلیل کن لہجہ میں کس قدر آزار دہ اور بے اصولی اور انتہائی تکبر اور انانیت پر مبنی اور ہر طرح مایوس کن ہے - جمعیۃ نے سیاسی اور مذہبی خدمات جو آج انجام دی ہیں اُن کو جمعیۃ کے ریکارڈ اور ملک سے پوچھئے اور پھر جس قدر قربانیاں اس راہ میں پیش کی ہیں مسلم لیگ اُن کا عشر عشیر بھی اپنی تمام عمر میں پیش نہیں کر سکتی - تعجب ہے کہ اراکین لیگ کو سیاسیات میں رائے قائم کرنے کا حق ہو (خواہ وہ کتنی ہی ملک اور قوم کے حق میں ضرر رساں کارروائی کریں) اور اراکین جمعیۃ کو کوئی حق نہ ہوگا - گویا کہ وہ اس ملک کے باشندے نہیں ہیں - اور نہ اُن کو اس میں زندہ رہنے اور زندگی کے اسباب و علل اور طرق پر غور کرنے کا استحقاق ہی ہے) اور وہ اراکین جمعیۃ العلماء کو جن کو باصرار تمام سیاسیات کی طرف کھینچا گیا تھا - نیز سیاسات میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے ان پر تشنیع اور الزامات کی بھرمار کی جاتی تھی نیز مسلم عوام سے اپنی بات منوانے کیلئے اُنکی ہر طرح کی منت و سماجت عمل میں لائی جاتی تھی - نیز وہ بیشمار قربانیاں بھی پیش کر چکے تھے اُن کو کوئی حق نہ ہو -

امور مذکورۂ بالا اور ایسے متعدد امور مسلم لیگ کی سابقہ پالیسی کو جس پر اس کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا یاد دلانے والے اور یقین دلانے والے ہیں کہ مسلم لیگ ہرگز ملک اور قوم کی بہتری کے لئے جد و جہد کرنے والی جماعت نہیں ہے اور نہ آئندہ اس سے کوئی امید رکھی جا سکتی ہے بلکہ نہایت مضرت رساں اور مایوس کن جماعت ہے - مذکورۂ بالا امور کے لئے مولانا محمد میاں فاروقی الہ آبادی

کا بیان ذیل پوری روشنی ڈالتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

(۱) ۱۳ / مارچ کو الیکشن ختم ہونے کے بعد سب سے پہلی ورکنگ کمیٹی اور منتخب شدہ ممبران اسمبلی کی میٹنگ منعقد ہوئی جس میں جناح صاحب نے سب سے پہلے جس چیز کی کوشش کی وہ یہ تھی کہ رجعت پسند حضرات سب کے سب شریک ہو جائیں باوجود آزاد خیال حضرات کی شدید مخالفت کے قرارداد داخلہ کی اجازت کی عمومی رنگ میں پاس ہوئی۔ لیکن جناح صاحب نے وہ قرارداد اس شرط پر پاس کرائی کہ زرعی پارٹی (اگر یکلچرسٹ پارٹی) کے جتنے ممبر آنا چاہیں گے وہ بہرحال لے لئے جائیں گے اور اس کا وعدہ لے لینے کے بعد زرعی پارٹی سے ملے اور اُن کی آمد کی مبارکباد دی۔ مگر کوئی اب تک آیا نہیں۔

(۲) اس کے بعد جب دوسری ورکنگ کمیٹی ہوئی تو اس میں جناح صاحب نہ تھے۔ اس جلسہ نے کانگرس سے مفاہمانہ گفتگو کرنے کا حق خلیق صاحب کو دیدیا

(۳) پھر ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہوا جس میں وزارت (عارضی وزارت) پر عدم اعتماد کی قرارداد صرف ایک ووٹ سے کامیاب ہوئی۔ شوکت صاحب نے بھی اس کے خلاف ووٹ دیا۔ اور انتہائی دقت سے یہ تحریک پاس ہوسکی۔

(۴) پھر بورڈ کی میٹنگ ہوتی ہے۔ جس میں اور باتوں کے علاوہ ظہیر فاروقی صاحب کے اس کہنے پر کہ جمعیتہ العلماء نے ہماری مدد کی اور ہم اسی کی وجہ سے کامیاب ہوئے۔ اس بورڈ کو ان کے خیالات کا اندازہ کرکے کوئی فیصلہ کرنا چاہیئے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کا خیال کانگریس کی تائید میں ہے وغیرہ وغیرہ۔

جناح صاحب نے ایک تقریر کی جس میں یہ کہا کہ جمعیتہ کو یا احرار کو کانگرس کے داخلہ کے مسئلہ پر جبکہ یہ لوگ بورڈ میں داخل ہو چکے ہیں کوئی حق نہیں۔ اور یہ اُنکی انتہائی بے اصولی ہے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب نے یہ کہا کہ ہم صرف الیکشن کے لئے داخل ہوئے تھے۔ اپنی پارٹیوں، عقیدوں اور نصب العین کو نہیں چھوڑا تھا ہمیں ہر وقت اس چیز کا اختیار ہے کہ ہم اپنی جمعیتوں کے لائحہ عمل پر غور کریں۔ اس پر جناح صاحب نے پھر جواب دوہرایا اور زیادہ وضاحت سے تقریر فرمائی جسکا ماحصل یہ تھا کہ جمعیتہ کو سیاسیات میں رائے قائم کرنے کا کوئی حق نہیں۔ یہ تقریر

نہایت تلخ اور جمعیت کے لئے انتہائی تذلیل کن تھی۔ اسی پارلیمنٹری بورڈ میں راجہ صاحب سلیم پور کا استعفا بھی تھا۔ وہ نکالے نہیں گئے اور نہ اُن کے خلاف تعزیری کارروائی کیگئی بلکہ وہ منظور کرلیا گیا۔ اس میں یہ قرارداد پاس ہوئی کہ کانگرس پارٹی سے مسلم لیگ پارٹی اسی وقت اتحاد عمل کرسکتی ہے جب کہ کانگریس اس کا عہد کرے کہ کمیونل ایوارڈ اور جداگانہ انتخابات میونسپلٹیوں میں قایم رکھے گی۔ جب تک کہ کوئی متفقہ فیصلہ نہو جائیگا۔ اور موجودہ آئین توڑنے کی کوشش نہ کرے گی۔"

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی ایم۔ ایل۔ اے کا بیان بھی ملاحظہ ہو۔

"۱۹۳۶ء میں مسلم الیکشن کے سلسلہ میں جبکہ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی تو ہم لوگ اس بورڈ میں صرف اس توقع پر داخل ہوئے تھے کہ یہ جماعت آزاد خیال افراد پر مبنی ہوگی اور اس کی تمامتر مساعی اور کوشش آزادی وطن اور رجعت پسند طبقہ کو زیر کرنے کے لئے ہوں گی۔ چنانچہ صاف اور واضح الفاظ میں مسٹر محمد علی جناح نے اس کا وعدہ کیا اور ہر طرح جماعت علماء کو اطمینان دلایا اور بڑی حد تک الیکشن کے زمانہ میں اس وعدہ کی پابندی بھی کی گئی لیکن الیکشن سے فارغ ہونے کے بعد فوراً ہی جناح صاحب نے (جو کہ اس بورڈ کے ڈکٹیٹر مطلق تھے) نہ معلوم کن مخفی وجوہ کی بناء پر اپنی روش بدل دی۔ اور باوجود ہماری زبردست مخالفتوں کے انہوں نے اس رجعت پسند طبقہ کو شامل کرنا چاہا جس سے دوران الیکشن میں مقابلہ رہا تھا۔ اور اس مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کو جو مسلم لیگ جمعیتہ العلماء ہند مجلس احرار اور کانگرس کے ممبران سے ترکیب دیا گیا تھا۔ کانگرس کے مدمقابل بنانے کی انتہائی کوشش کی اور کانگرس کو خالص ہندوؤں کی جماعت قرار دینا شروع کیا۔

جب ہم نے اس معاملہ میں احتجاج کیا اور جناح صاحب کو ان کے مواعید یاد دلائے۔ اور بتلایا کہ جماعت علماء اس بورڈ میں صرف اس بنا پر داخل ہوئی تھی کہ کانگرس کے ساتھ مل کر آزادی وطن کے لئے کوشش کی جائے گی اور رجعت پسند طبقہ کو ایک ایک کرکے علاحدہ کردیا جائے گا۔ اور یہ صرف آزاد خیال لوگوں کی جماعت رہے گی۔ آج آپ رجعت پسندوں کو اس میں داخل کررہے ہیں اور کانگرس کے ساتھ بجائے اشتراک عمل اور اتحاد عمل کے جو آپ کے مینوفسٹو میں درج

سے مخالف جارہے ہیں۔ تب جناح صاحب نے اور بعض دوسرے لوگوں نے بورڈ کی میٹنگ میں ہتک آمیز رویہ اختیار کیا۔ اور کہا کہ ہمارے سارے وعدے ایک سیاست تھی۔ علماء سیاست سے بالکل ناواقف ہیں۔ علماء کی شرکت اور اُن کی مساعی سے ہم کو الیکشن میں کامیابی نہیں ہوئی بلکہ ہمارے مینوفسٹو کی وجہ سے ہم کو کامیابی ہوئی تھی۔ اگر جماعت علماء ہمارے اس طرز عمل کو نہ پسند کرے تو ہمیں مطلق اس کی پروا نہیں ہے۔ اس قسم کی اور باتیں بھی کہی گئیں۔ میں خود جناح صاحب کی تقریر بوجہ انگریزی میں ہونے کے پوری طور پر نہیں سمجھ سکتا تھا۔ لیکن اسی وقت مجھ کو اس تقریر کا مفہوم اور مطلب ظاہر صاحب بیرسٹر اور بعض دوسرے لوگوں نے بتلایا۔"

مذکورۂ توضیحات سے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا اسباب تھے۔ جن کی بنا پر متعدد اراکین جمعیۃ العلماء لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں داخل ہوئے تھے اور کن اسباب کی بنا پر علیحدہ ہوئے یا کئے گئے۔ مسٹر جناح کا اس کو معمہ قرار دینا اور اس کو حل نہ کر سکنا باوجود امور مذکورۂ بالا ایک برطانوی سیاست ہے۔ جس پر آج حضرات لیگ فخر و ناز کرتے ہیں۔ یقیناً ایسی سیاسیات سے جماعت مسلمہ کو پناہ مانگنی چاہیے۔ جس کا مدار تکبر، نخوت، غرور، وعدہ خلافی، غدر، کذب، افترا، وغیرہ رذیل امور پر ہو۔ یہ سیاست کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر دو چار دن کامیاب ہوئی تو چند دنوں کے بعد ہی اس کا قلع قمع ہو جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ یورپ کی ابلیسانہ سیاست کے لئے ایسے ہی شخص کی ضرورت ہے جبکہ یورپین اور ایشیائی اقوام کے ساتھ محض ابلیسانہ کارروائی کرے اور ان کے نفاق و غدر وغیرہ کا مقابلہ اسی طریقہ پر کرے۔ مگر یہ غلط ہے اور عادت خداوندی کے خلاف ہے۔ خداوند کریم نے نمرود، شداد، فرعون، کفار قریش کفار بنی اسرائیل جیسے غداروں مکاروں ظالموں کے مقابلہ میں ان جیسا ابلیس و شیطان نہیں بھیجا بلکہ حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہم وعلیٰ آلہم وصحبہم وسلم جیسے راست گوؤں راست بازوں راستی پر رہنے اور چلنے والوں کو بھیجا اور سب کی اصلاح کرائی۔ اور حق کو فروغ اور باطل کو مضمحل کر دیا۔ درخت اپنے پھل اور پتوں سے پہچانا جاتا ہے۔ جب تک کہ الیکشن ختم نہیں ہوا تھا اس وقت تک اخباروں، پمفلٹوں، لکچروں وغیرہ میں برطانیہ اور ایکٹ ۳۵ء سے بیزاری اور سخت نفرت کا اظہار کیا جاتا تھا۔ کانگرس کی رفاقت اور آزادی وطن کی شدید حمایت کا اعلان ہوتا تھا، غداران وطن، جاہ پرست، خود

غرض، عہدوں کی تلاش کرنے والوں، رجعت پسندوں، برطانیہ کے حامیوں کی سخت سے سخت مذمت کی جاتی تھی۔ اور سخت بیزاری کے الفاظ اُن کے حق میں بولے جاتے تھے۔ اور وعدہ کیا جاتا تھا کہ اُن کو ایک ایک کر کے نکال پھینکا جائیگا۔ اور لیگ کو آزاد خیال مخلصین وطن و قوم پسند افراد اور جماعتوں سے بھر دیا جائیگا۔ مگر جب دیکھا کہ کانگریس چھ سات صوبوں میں میجارٹی میں آگئی تو تمام باتیں نیست و نابود ہو گئیں۔ اور جس طرح برطانیہ کے ایوان میں زلزلہ پڑ گیا اسی طرح یا اوس سے زائد لیگ کے ایوانوں میں زلزلہ پڑ گیا۔ اور غیر ظاہر اسباب کی بنا پر (جن کو ہر سمجھدار سمجھ سکتا ہے) جو لوگ اس وقت تک لیگ اور اس کے صدر اور ہائی کمانڈ اور اس کی پالیسی اور سرگرمی کے انتہائی مخالف تھے اور اسی طرح جن جن پرلیسوں نے لیگ کی مخالفت میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا کر کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا تھا۔ بالخصوص وہ اخبارات جو کہ ہمیشہ برطانیہ پرستی اور تفرقہ اندازی میں پیش پیش رہے تھے اور وہ خطاب یافتہ یا پنشن پانے والے حضرات جن کا فرض اصلی برطانیہ کی نمک حلالی اور اس کا راگ گاتے رہنا تھا۔ اور وہ ملازمت پیشہ حضرات اور اُن کے اقارب و اعزہ جن کا دین و مذہب برطانیہ ہی تھا سب کے سب فوجا فوجا جوق در جوق لیگ میں داخل اور مسٹر جناح کے کلمہ گو بن گئے۔ لیگ کے مراکز سے نہ صرف تفرقہ اندازی کی بلکہ دہشت اندازی اور دشنام تراشی، افترا پردازی، بد تہذیبی کی بھی لپٹیں اٹھنے اور چنگاریاں منتشر ہونے لگیں۔ جدھر دیکھو ادھر مسٹر جناح اور اُن کے نئے نئے اتباع مولانا ظفر علی خاں صاحب۔ مولانا مظہر الدین صاحب، مدیران انقلاب و احسان، مولانا اکرم خاں صاحب مولانا حسرت موہانی مولانا آزاد سبحانی وغیرہ وغیرہ نے ایسی پلٹی کھائی کہ اُن کی شرر بار تقریروں اور تحریروں سے فضاء ہندوستان انتہائی مسمومیت کے دلدل میں پھنس کر رہ گئی۔ مسٹر محمد علی جناح اور اُن کی پارٹی جو کہ ۱۹۳۴ء کے الیکشن کے بعد سے مرکزی اسمبلی میں کانگریس کے ساتھ ہو کر برابر دو سال تک گورنمنٹ کو شکستوں پر شکستیں دے رہے تھے اور جو کہ ۱۹۳۶ء کے اجلاس مسلم لیگ بمبئی اور پارلیمنٹری بورڈ کے مینو فسٹو اور پروگرام وغیرہ کی بنا پر کانگریس کے بالکل ہی قریب تر ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ہر ایک کے کارکنوں نے دوسرے کے کنڈیڈیٹوں کی ایام الیکشن میں بہت زیادہ مدد دی تھی۔ یکبارگی ایسے پلٹے کہ الامان الحفیظ۔ لکھنؤ کے اجلاس کا سارا خطبہ کانگریس کی مذمتوں اور اس پر تنقیدات سے بھر دیا گیا۔ اسمبلی میں برابر

کوشش جاری رکھی کہ جس طرح ممکن ہو گورنمنٹ برطانیہ کو کامیابی اور کانگریس کو شکست دی جائے۔ خواہ کسی ایسے مسئلہ میں ہو جو کہ سراسر ملک اور قوم کے لئے یا مذہب کے لئے ضرر رساں ہو یا دونوں کیلئے۔ چنانچہ شریعت بل کا الغا، زنجبار کی لونگوں کا معاملہ آرمی بل وغیرہ کی کھلی کھلی کارروائیاں شاہد عدل ہیں اور بالخصوص آرمی بل نے تو پردہ بالکل ہی اٹھا دیا اور حقیقت آشکارا ہوگئی۔ جس سے خلاف ملک و مذہب برطانیہ کو اس قدر کامیابی دی گئی کہ اس کے تمام ہائی کمانڈ اور حکومت انگلستان اور ہندوستان کے اعلیٰ عہدہ دار لیگ پارٹی اور اس کے صدر کے انتہائی درجہ میں شکر گزار اور ممنون احسان ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان تمام باتوں میں برطانیہ کی خفیہ سازشیں اور اس کے دیوائڈ اینڈ رول کا ہاتھ ہے یا مسٹر جناح اور ہائی کمانڈ کی جاہ طلبی اور انانیت کا کرشمہ ہے۔ یا کانگرس کے بہت سے اعلیٰ کارکنوں کے متکبرانہ الفاظ (جو انہوں نے کانگریس کی چھ صوبوں میں کامیابی کے وقت میں الاپے تھے) یہ شگوفے کھلا رہے ہیں۔ یا وہ تلخ مضامین کا سلسلہ جو مسٹر جناح اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان میں اخبارات میں چھڑ گیا تھا یہ گل کھلا رہا ہے یا اور کوئی اندرونی راز ہے جس تک ہماری طبیعت نارسا نہیں پہنچ سکتی۔ بہرحال تنظیم قوم مسلم کے نام سے یہ تمام ناکردنی اور ناگفتنی کارروائیاں جاری ہیں اور فرقہ داری کی آگ نہایت زوروں پر جاری کرکے برطانیہ کی امداد اور آزادی کو دور تر بنایا جا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مسلم لیگ نے کامل آزادی کی تجویز پاس کردی ہے۔ مگر اس کی عملی کارروائی پر تو شاعر نظامی کے مندرجہ ذیل اشعار صادق آرہے ہیں۔

اے گرفتار پنجۂ صیاد ۔۔۔ کیوں سناتا ہے نغمہ پرواز
سب سمجھتے ہیں تیرے مطلب کو ۔۔۔ بانگ آزادی میں چھپا ہے راز
تیلیاں اس کی اور کستا ہے ۔۔۔ نہیں کرتا در قفس کو باز

الحاصل ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور والا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ جو لوگ ہمیشہ سے تحریکات خلافت و جمیعۃ وغیرہ کے سخت سے سخت مخالفت کرتے ہوئے ان بیچارہ وغیرہ کے ہر زور رسائی اور برطانیہ کے انتہائی وفادار نظر آتے تھے۔ اور جو لوگ قومی کارکنوں پر ہمیشہ انتہائی مظالم کرتے اور گورنمنٹ سے کراتے تھے۔ جو جو حضرات اپنی اور اپنے اعزہ کی ملازمتوں اور عہدوں اور خطابات، کرسی وغیرہ کی بنا پر گورنمنٹ کے محکموں اور بنگلوں کا

ہمیشہ طواف کیا کرتے تھے۔ جو لوگ سیاسیات میں حصہ لینا گناہ عظیم اور سیاست کو شجرۂ ممنوعہ اور کہتے تھے۔ جو لوگ لیگ کی مذمت میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے تھے۔ جو لوگ سیاسیات اور ملکی کارروائیوں میں کسی زمانہ میں نہ حصہ لیتے تھے اور نہ کوئی بصیرت رکھتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ آج مسلم لیگ کا دم بھرتے ہوئے اور کانگریس کو اکھاڑتے پچھاڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مسلم نیشنلسٹ اشخاص کے لئے ان کے زبان قلم وغیرہ میں کوئی گندہ لفظ نہیں جو استعمال کیا جاتا ہو۔ بہرحال یہ البتہ ایک معمہ اور عجیب کرشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلم قوم کو اس کے نتائج بد سے بچا دے۔ ورنہ مسلمانوں کا مستقبل نہایت تاریک دکھائی دیتا ہے۔ والی اللہ المشتکیٰ

میں آخر میں تمام مسلمانوں اور بالخصوص ان کے سمجھدار طبقہ سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ اصلی اور حقیقی واقعات پر غور کریں اور لیگ کے ماضی کارناموں اور اس کے سرداروں کی مذہبی اور دنیاوی، سیاسی اور عملی، قومی اور شخصی زندگی اور اقوال و افعال پر گہری نظر ڈالیں اگر ان کے نزدیک یہ جماعت اور اس کا صدر صادق، مخلص، ایثار و قربانی کرنے والا، جذبات آزادی و ہمدردی قوم پر مر مٹنے والا قابل اعتبار و اقتدار معلوم ہو۔ اور اس کا پروگرام لائق عمل دکھائی دے تو نہایت سرگرمی سے اتباع کریں۔ ورنہ قوم اور ملک اور مذہب کو برباد نہ کریں۔ اور آخرت کے عذاب سے بچیں۔

یاایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین (اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو) ؎

کس نیاید بزیر سایۂ بوم ٭ ور ہما از جہاں شود معدوم

واللہ الموفق — ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

ضمیمہ

بعض شبہات کا جواب

بعض معزز دوستوں نے اعتراض کیا کہ حسین احمد نے خود ان ایام میں کہ پارلیمنٹری بورڈ میں کنڈیڈیٹ نامزد کئے جاتے تھے۔ دو خان بہادروں کے لئے جان توڑ کوشش کی۔ اور ان کو لیگ کے ٹکٹ پر کھڑا کیا۔ جس کے متعلق بورڈ میں دوسرے امیدواروں کے ساتھ مباحثہ اور جھگڑوں کی نوبت آئی۔ اس کے متعلق میں غلط فہمی کو دور کر دینا چاہتا ہوں۔

(الف) ہر خان بہادر اور خطاب یافتہ رجعت پسند اور برطانیہ پرست نہیں ہے۔ خان بہادر

بشیرالدین صاحب مدیر "البشیر" آف اٹاوہ بھی خان بہادر ہیں۔ مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ آزاد خیال ترقی پسند قومی آدمی نہیں ہیں۔ یا خان بہادر سید بشیرالدین صاحب آف کانپور بھی خان بہادر ہیں۔ جو کہ عرصہ سے کانگریس میں نہایت سرگرمی کے ساتھ قومی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ اس لئے خطاب سے استدلال کسی کی ٹوڈیت پر نہیں کیا جاسکتا۔ خان بہادر سعیدالدین صاحب آف پرتاب گڑھ کے متعلق بہت کچھ اشاعتیں کی گئیں۔ حالانکہ وہ ہمیشہ سے کانگریس اور قومی خدمات میں نہایت سرگرم کارکن رہے ہیں۔ اور آج بھی لیگ پارٹی کے طرز عمل سے بیزار ہوکر کانگرس کے ساتھ اسمبلی میں کام کر رہے ہیں۔

(ب) یہ دونوں اشخاص باوجود خان بہادر ہونے کے آزاد خیال، قوم پرور۔ ترقی پسند اشخاص تھے اور ان کی حالت ہرگز رجعت پسندوں جیسی برطانیہ پرستی میں نہ تھی۔ ان میں سے ایک صاحب وہ تھے جنہوں نے مولانا محمد علی صاحب مرحوم کی زیر قیادت علی گڈھ یونیورسٹی کو چھوڑ کر جامعہ ملیہ میں جگہ لی تھی اور مولانا محمد علی صاحب کی گرفتاری کے بعد بی اماں مرحومہ کے ساتھ ملک میں عرصہ دراز تک دورہ وغیرہ کرتے رہے تھے۔ اور بعد کے زمانہ میں جب کونسل میں ممبر بنے اس وقت بھی ڈیموکریٹی پارٹی میں شامل ہوکر بہت سے رزولیوشنوں میں گورنمنٹ اور اس کے ٹوڈیوں کی مخالفت کرتے رہے۔ کبھی بھی نواب محمد یوسف صاحب وغیرہ جیسے رجعت پسندوں کے منت کش نہیں ہوئے اور نہ اُن کی کورانہ تقلید کرتے ہوئے کبھی قوم اور وطن کی بیخکنی کی۔ دوسرے صاحب بھی اگرچہ بوجہ زمیندار اور رئیس ہونے کے علانیہ طور پر قومی پلیٹ فارم پر نہیں آئے تھے۔ مگر قومی خدمات میں حتی الوسع حصہ ضرور لیتے رہتے تھے۔ اور آزاد خیال تھے۔ دونوں حضرات اگریکلچرسٹ پارٹی سے بالکل علاحدہ تھے۔ کوئی بھی ان میں سے کبھی سر یعقوب سر یا مین ڈاکٹر شفاعت احمد خاں وغیرہ جیسا نہیں رہا۔

(ج) ان کے بالمقابل جو لوگ کھڑے تھے وہ یا تو نہایت گرے ہوئے رجعت پسند تھے یا محض ذاتی عداوت کی وجہ سے ان کی نامزدگی کے بنا پر نیز انکو بورڈ کے انتخاب سے نکلوانے اور بدنام کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ نفسانی اغراض کام کر رہی تھیں۔ حالانکہ نامزدگی سے پہلے ان حضرات پر بہیش کہا گیا تھا کہ تم لیگ کے ٹکٹ پر اس حلقہ سے کھڑے ہو جاؤ۔ مگر انہوں نے

قبول نہ فرمایا تھا۔ بورڈ کے نامزد کرنے کے بعد انتقامی جذبات نے اُن کو ان حلقوں سے کھڑے ہونے پر آمادہ کیا تھا۔

(د) پارلیمنٹری بورڈ کے اجلاس نامزدگی کی تاریخ تک ضلع سہارنپور کے چاروں مسلم حلقوں میں کوشش کی گئی کہ کوئی بھی ایسا آزاد خیال اکسٹیمسٹ لیگ کے نام پر کھڑا ہو جائے جو کہ اپنی مالی طاقت رکھتا ہو محض بورڈ کے سہارے پر نہ کھڑا ہو۔ سوائے ایک شخص کے جن کا مطالبہ شہر سہارنپور کے شہری حلقہ کا تھا کوئی اور کھڑا نہ ہوا۔ یہ دونوں خان بہادر کھڑے ہونے والے تھے۔ مگر نہ لیگ کے ٹکٹ پر اور نہ اگریکلچرسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر بلکہ انڈیپنڈنٹ کھڑے ہونا چاہتے تھے۔ بالآخر مجبور ہو کر انہیں کو آمادہ کیا گیا اور بالکل آخری شب میں چند دنوں کی کوشش کے بعد کامیابی ہوئی اور یہ دونوں لیگ کے مینوفسٹو کو مانتے ہوئے ان کے پلیج پر دستخط کرنے اور لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہونے کے لئے راضی ہوئے۔ میں ہی عرضی لے کر بورڈ کے اجلاس میں پہنچا۔ اُن کی عرضی پیش ہو جانے کے بعد دوسرے اشخاص معاندانہ طریقہ پر تیار ہوئے جس کا مقدمہ خصوصی اور عمومی اجلاسوں میں پیش ہوا اور مجھکو تمام تفصیلات ذکر کرنیکی نوبت آئی۔ افسوس کہ ان باتوں کو بالکل نظر انداز کر کے لوگوں کو دھوکا دیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اُن دو شخصوں کو بمجبوری پیش کیا گیا تھا۔ اور پھر انہوں نے لیگ کے مینوفسٹو اور پلیج کو تسلیم کیا تھا۔ رجعت پسندی اور خود غرضی کی انتہائی پستی میں کبھی بھی نہیں تھے۔ لیگ کے عقیدہ اور عمل پر پوری طرح تیار ہو گئے تھے۔ اُن کی گذشتہ زندگی برطانیہ پرستی کی شرمناک سرگرمیوں سے خالی تھی۔ اُن کے پارٹی میں داخل ہونے سے ٹوڈیوں کی اکثریت نہ مقدار میں ہوتی تھی اور نہ کیف اور اثر میں۔ بخلاف اس عمل کے جس کو مسٹر محمد علی جناح نے الیکشن کے بعد سے اختیار کیا۔ (۱) بجائے اس کے کہ رجعت پسند اور خود غرض لوگوں کو (جنہوں نے مرکزی اسمبلی میں مسٹر جناح اور اُن کی پارٹی کے خلاف گورنمنٹ کو ووٹ دیئے تھے) حسب وعدہ لیگ سے نکالتے اور اُلٹا ایسے ہی لوگوں کو داخل کرنا چاہا (۲) ان لوگوں کو داخل کرنا چاہا جو انگریز پرستی کے اعلیٰ درجہ اور چوٹی کے اشخاص اور کارکن تھے یعنی جو اگریکلچرسٹ پارٹی اور سابقہ وزارت کے کابینٹ کے ذمہ دار حضرات تھے۔ (۳) اُن لوگوں کو داخل کرنا چاہا جنہوں نے بجائے لیگ کے مینوفسٹو اور پلیج کے ماننے کے ایام الیکشن میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر انتہائی دشمنی کا ثبوت پیش

کیا تھا (۴) اُن لوگوں کو داخل کرنا چاہا جو کہ بحیثیت پارٹی مسلم لیگ کے خلاف عقیدہ رکھتے تھے (۵) ان کو بحیثیت پارٹی داخل کرنا چاہا۔ (اُن سب لوگوں کو داخل کرنا چاہا کہ اگر وہ آجاتے تو لیگ پارٹی اقلیت میں آجاتی اور وہ سب کے سب غالب ہوجاتے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

یہ واقعہ تو اس وقت کا ہے جب کہ الیکشن کے بعد یوپی بورڈ کی پہلی میٹنگ میں مسٹر جناح نے ہر قسم کی کوشش رجعت پسندوں کے داخلہ کی فرمائی تھی۔ مگر اس کے بعد آج لیگ کے عام ذمہ دار اور کارکن تو انہیں عناصر کی اغلبیت اور اکثریت رکھتے ہیں۔ جن کی مذمت اور شکایت مینوفسٹو وغیرہ میں نہایت سخت الفاظ میں کی گئی تھی اور لیگ کی ذمہ دار جماعتیں ایسے ہی لوگوں سے بنائی گئی اور بنائی جارہی ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

مسٹر جناح پر اجماع کی حقیقت

باوجودیکہ مسٹر جناح مذہب اسلام اور اہل سنت اور اہل مذہب سے نہ صرف مستغنی بلکہ سخت متنفر بھی ہیں۔ نہ اُن کی زندگی مذہبی ہے نہ اُس بیچارے نے مذہبی ہونے یا مذہبی قیادت کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ ایک کامیاب بیرسٹر ہیں۔ اور سیاسی قیادت کے مدعی اور خواہشمند ہیں اور پھر سیاست بھی اُس قسم کی جو کہ یورپین اقوام اور ممالک کی ہے۔ اسلامی سیاست سے نہ وہ واقف ہیں اور نہ اُس کے مدعی۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ اصحاب اغراض عام مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے امام اور قائد اعظم ہیں۔ اُن کی امامت اور قیادت پر اجماع امت منعقد ہوگیا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لا تجتمع امتی علی الضلالۃ۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ اُن کی امامت کے ماتحت نہ آنے والا اور ان کی قیادت کا انکار کرنے والا اجماع کا منکر ہے۔ اور اجماع کا انکار کرنا کفر ہے فسق ہے، ضلالت ہے، بغاوت ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

افسوس اس قسم کی دھوکا دہی سے دنیا و آخرت کی بربادی کی صورتیں پیدا کی جاتی ہیں ایک ایسی قیادت کو بالفرض تمام مسلمانان عالم اور اُن کے اہل حل وعقد تسلیم بھی کرلیتے تو وہ کس طرح اجماع شرعی ہوسکتا تھا۔ (کتب مذہب اور قوانین شرع کو ملاحظہ فرمائیے) اور اگر بالفرض وہ اجماع شرعی بھی ہوتا تو یہاں حدیث میں مسلمانان ہندوستان کا لفظ کب استعمال کیا گیا ہے۔ کہاں فرمایا گیا ہے لا تجتمع مسلموا الہند علی الضلالۃ۔ یا مسلمانان ہند ہی صرف

امت محمدیہ ہیں۔ کیا دنیائے اسلام کے باسٹھ کروڑ باشندے جن کو نہ مسٹر جناح سے واقفیت ہے نہ حاجت، وہ امت سے خارج ہیں۔ بعضے نادان یہ سمجھتے ہیں کہ امت میں سے بعض لوگوں کا متفق ہو جانا ہی اجماع امت ہے۔ اور اس کے استدلال میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو پیش کرتے ہیں۔ افسوس کہ اجماع کی شرعی تعریف اور وقایع تاریخیہ دونوں سے ناواقف ہیں۔ یقیناً اجماع میں بچے، کم عقل عورتیں، مجانین، معتوہین، عبید وغیرہ داخل نہیں۔ (اگرچہ یہ سب افراد امت میں سے ہیں) مگر اہل حل و عقد تو سب کے سب متفق ہونے ضروری ہیں ارباب مذہب اور ذوی البصائر فی الدین کا اتفاق تو ضروری ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کے زمانہ میں تمام امت صرف اہل عرب سے عبارت تھی۔ اُن کے جملہ اہل حل و عقد نے تدریجاً ان کی خلافت کو مانا اور بلا واسطہ یا بالواسطہ بعجلت یا بدیر بیعت کی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں تمام ارباب حل و عقد کا مکمل اتفاق ہو گیا تھا۔ اس لئے وہاں پر اجماع امت متحقق ہے۔ مسٹر جناح کے لئے بیرون ہند کے تمام مسلمان جن کی تعداد مسلمانان ہندوستان سے سات آٹھ گنا زیادہ ہے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھتے اور نہ جانتے پہچانتے ہیں۔ نہ اُن کے عوام نہ خواص نہ اہل دیانت نہ اہل علم نہ اہل حل و عقد نہ معمولی لوگ نہ مرد نہ عورتیں۔ پھر اہل ہند میں سے سیاسی اور مذہبی جماعتیں جمعیۃ العلماء احرار، نیشنلسٹ مسلمان سرخپوش جو کہ سیکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں ہوتے ہوئے اہل حل و عقد کی حیثیت رکھتے ہیں اور جنہوں نے قومی اور مذہبی کاموں میں ہمیشہ سرفروشی اور جان نثاری کا نمایاں ثبوت پیش کیا ہے۔ وہ اُن کی قیادت کے نہ قائل ہیں نہ تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح ۔۔۔ دیہاتی اور عام آبادی اور مذکورہ جماعتوں کے اتباع اور والنٹیروں نے جو کہ لاکھوں کی تعداد سے نکلکر کروڑوں تک پہنچتے ہیں وہ کب اُن کی قیادت کو تسلیم کرتے ہیں۔ پھر جن لوگوں کو آج خلاف واقعہ ممبر لیگ ظاہر کیا جا رہا ہے، اُن کو جس طرح ممبر بنایا گیا ہے اور جس طرح بنایا جا رہا ہے وہ بھی اظہر من الشمس ہے۔ لوگ اس سے واقف ہیں۔ اس تلبیس سے مسلمانوں کو کیوں برباد کیا جاتا ہے۔ اور پھر ہر ایک مفتی بنکر شرعی احکام کا جامہ پہنانے کو تیار ہے۔

مسٹر محمد علی کی امامت سیاسی مسلمانوں کے لئے

مسٹر محمد علی جناح کی شخصی کمزوری تو ان کی عملی زندگی اور اُن کی صاحبزادی صاحبہ کے سول میرج یعنی ایک عیسائی پارسی کے ساتھ تین ماہ تک کورٹ شپ اور اس کے بعد گرجا میں نکاح کرنے

وغیرہ سے ظاہر ہے اور ان کی قومی زندگی کی کمزوری اس سے ظاہر ہے کہ وہ ناگپور کے اجلاس کانگریس تک اوس کے ساتھ رہے۔ مگر جبکہ کانگریس نے نان کوآپریشن پاس کر دیا تو علاحدہ ہو گئے۔ لکھنؤ کے خطبۂ صدارت میں سول نافرمانی کو قوم کی خودکشی قرار دیتے ہیں۔ اسی بنا پر اور اس قسم کی دوسری باتوں کی بنا پر ڈاکٹر انصاری مرحوم نے موتمر کے خطبہ صدارت میں ان کو ہندوستان کا دوست نہ ہونا اور فرقہ پرست بنایا تھا۔ اور اسی بنا پر کلکتہ میں علی برادران کا ان کے ساتھ ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تھا۔ ہاں مسٹر محمد علی جناح کے مرکزی اسمبلی میں ۱۹۳۴ء کے بعد کے واقعات سے یہ امید پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اپنے سابقہ خیالات سے رجوع کر گئے ہیں اور تمام ہندوستان کی ہمدردی اور عالی حوصلگی پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ اب فرقہ پرستی کی ناپاک صورتیں اُن کے دماغ سے نکل گئی ہیں۔ تقریباً دو سال کی اس قسم کی کارروائیوں نے اس کے یقین دلانے کا سامان مہیا کر دیا تھا۔ مگر حسب قول شاعر

من ز خوباں چشم نیکی داشتم خود غلط بود آنچہ من پنداشتم

الیکشن کے بعد کے واقعات مذکورہ بالا نے بالکل مایوس کر دیا۔ اور اب جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ تو مثل آفتاب روشن ہے۔

اُن کی سیاسی رائے کی کمزوری اس سے ظاہر ہے کہ لکھنؤ کے اس میثاق ملی میں (جو کہ ۱۹۱۶ء میں قرار پایا تھا اور اس وقت لیگ کی صدارت اُن کے ہاتھ میں تھی اور بڑے بڑے مسلمان سیاسی لیڈر نظر بند تھے۔ علماء اس وقت سیاسی میدان میں نہیں آئے تھے) مسلمانوں کی سیاست کو بالکل غیر مستقل بنا کر مثل پاسنگ کے ڈانواڈول کر دیا۔ کسی جگہ اور کسی صوبہ میں اُن کی اکثریت تسلیم نہیں کی گئی۔ صوبہ پنجاب میں بجائے ۵۵ اُن کو ۵۰ سیٹیں دی گئیں اور صوبہ بنگال میں بجائے (۵۳) چالیس دیگئیں۔ اقلیت والے صوبوں میں اگرچہ کچھ سیٹیں زیادہ کر دی گئیں۔ اور بطور ویٹج اُن کو کچھ زائد مل گیا تو کیا فائدہ ہوا۔ ادھر راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں بنگال کے عیسائیوں کو تیس سیٹیں دیکر ہمیشہ کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کو بنگال میں برباد کر دیا گیا۔ شریعت بل کے متعلق، لونگ بل کے متعلق، آرمی بل کے متعلق اور اس سے پہلے ساردا بل کے متعلق جو کچھ موصوف کی کارروائی ہوا اس پر غور کیجئے اور اُن کی سیاسی رائے پر ماتم کیجئے۔ اور دیکھئے کہ یہ حضرات امت مسلمہ کو کہاں لے جا رہے ہیں۔

آخر میں اظہار حقیقت کے طور پر اتنا عرض کر دینا نہایت ضروری ہے۔
کہ یہ جو کچھ لکھا گیا انتہائی مجبوری کے حالت میں لکھا گیا ہے۔ جس کا واحد سبب عاقبت نااندیش اخبارات کی ہرزہ سرائی اور خود مسٹر محمد علی جناح صاحب کی دانستہ یا نادانستہ غلط بیانی یا فریب کاری ہے۔ ورنہ اشخاص اور افراد کی شخصی زندگی پر نقد و تبصرہ نہ ہمارا شیوہ ہے اور نہ ہم اس کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں

مراد ما نصیحت بود و گفتیم
حوالت با خدا کردیم و رفتیم

ننگ اسلاف
حسین احمد

قائد کے خریداروں سے قارئین قائد کی خدمت میں عرض ہے کہ قوم کی اصلاح اور ملت اسلامیہ کی فلاح کے لئے جو کچھ قائد کا نظریہ ہے اس کے لئے اس کی ضخامت ناکافی ہے قائد کی دلچسپیوں میں اضافہ اور اسے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر لانے کیلئے اس بات کی ضرورت ہے کہ اسکے لئے زیادہ سے زیادہ خریدار مہیا کئے جائیں تاکہ قائد کی ظاہری اور باطنی خوبیوں میں اضافہ کیا جا سکے (منیجر)

رسالہ "قائد" کا

سالگرہ نمبر

سنہ ۱۳۵۸ھ

پورے آب وتاب کے ساتھ تقریباً ۲۰۰ دوسو صفحات پر ۱۵ محرم سنہ ۵۸ھ تک شائع ہوگا۔ جس میں مندرجہ ذیل عنوانات پر خاص اور یادگار مباحث ہونگے

(۱) رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ کا

سیاسی اور انقلابی پہلو

(۲) عقیدہ توحید کا اثر سیاسات عالم پر

(۳) رحمۃ اللعالمین اور سیاسی فوائد

(۴) آسمانی حکومت کی تصویر

شعراء ملک کا اچھوتا منظوم کلام۔ علماء امت کے بلند پایہ مقالات۔

قدیم خریداران اور جو حضرات یکم محرم الحرام تک خریدار بن جائیں انکی خدمت میں

مفت

پیش کیا جائیگا۔ اس کے بعد عمدہ کاغذ عہ اور معمولی کاغذ ۱۲؍ میں مل سکیگا۔

رسالہ بہت زیادہ تعداد میں طبع ہورہا ہے۔ مشتہرین کے لئے زریں موقع ہے خاص رعایت سے فائدہ اٹھائیں اور خط وکتابت سے معاملہ طے کریں۔

(مولانا حکیم) انظار احمد۔ مدیر انتظامی رسالہ قائد۔ محلہ فیل خانہ۔ مرادآباد

لسانی انقلاب اور ہمارا فرض

(از مولانا محمد اطہر کٹکی رکن جمعیۃ علماء ہند)

(۲)

کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ تقریر اور تحریریں گرما گرمی جو پیدا ہوگئی ہے کیا یہ سیاسی انقلاب کی مرہون منت نہیں ہے یقیناً یہ ہمارا سیاسی انقلاب ہماری زندگی کے تمام شعبے کو یکسر منقلب کر کے رکھدیگا جب تک تم اجنبی حکومت کے زیر سایہ جمود و تعطل کی زندگی گذارتے رہے۔ تب تک ہماری زندگی کے تمام کل پرزے معطل اور منجمد رہے جب اس مہلک زندگی سے ہم عاری آگئے اور ہم یہ محسوس کرلیا اور اس اضمحلال کا اصلی روگ دریافت کرلیا۔ تو انقلاب کے میدان میں صف بستہ ہو گئے۔ اور دنیا کو یہ بتانے میں ہم کامیاب ہو گئے کہ ہمارا مقصد صرف نظام حکومت ہی کو بدل ڈالنا نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصد ہندوستان کی قومی زندگی کے ہر ہر شعبے کو بدل ڈالنا ہے۔ ہم جو ڈیڑھ صدی سے اپنی تہذیب و کلچر کے دلدادہ تھے۔ آج ہم اپنی کھوئی ہوئی تہذیب و کلچر کو پھر ایک مرتبہ زندہ کر دینے کے خواہشمند ہیں۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ کیمبرج اور اوکسفورڈ کے اعلیٰ تعلیم یافتہ جنہوں نے قومی زندگی کی تباہیوں کو محسوس کیا، انہوں نے اپنے مصنوعی لباس کوٹ پتلون اور فرعونی زبان انگریزی سے متنفر ہو گئے۔ اور اپنی حقیقی وطنی تہذیب و کلچر کے احیاء کے لئے ساعی رہے۔

لسانی قضیہ اور اس کا حل! بہر نوع جس لسانی افتراق کا ابھی تذکرہ ہو چکا ہے اس کے پیش نظر یہ کہنا کچھ بیجا نہیں کہ وطنی آزادی اور استخلاص کا سوال جس قدر پیچیدہ تھا اس سے زیادہ یہ من گھڑت لسانی تفریق بھی عقدۂ لاینحل بن گئی۔ ہندوستان کی مقتدر ہستیوں نے جہاں دو فرقوں کے سیاسی الجھنوں کو رفع کرنیکی سعی کی وہاں زبان کے مسئلہ میں بھی زیادہ دلچسپی کا اظہار کیا۔ اور اس ملعون افتراق کو مٹانے کے لئے جد و جہد شروع کردی۔

زیر بحث سوال یہ رہا کہ ہندوستان کی متحدہ قومیت کے لئے ایک ہی متحدہ زبان اور مشترکہ رسم الخط ہونا چاہیئے۔ یہ سوال کتنا اہم ہے۔ اس کا وہی لوگ اندازہ کر سکتے ہیں جو اس مسئلہ سے کچھ بھی تعلق رکھتے ہوں گے۔ ہندوستان کے طول و عرض میں مختلف زبانیں اور متعدد رسم الخط رائج ہیں اور ہر زبان میں کچھ نہ کچھ ادبی اور تاریخی لٹریچر موجود ہیں۔ اور بعض زبانوں کے بولنے چاہنے والے کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور ہر زبان اپنی جگہ میں ایک مستقل

حیثیت رکھتی ہے۔ اردو۔ دیوناگری کے علاوہ سات یا آٹھ زبانیں ایسی ہیں جن کا نظرانداز کر دینا کچھ آسان نہیں۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ بنگالی زبان ہے جس کے بولنے والے ۵ کروڑ کی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ جس کا ادبی معیار نہایت ہی بلند پایہ ہے اور جو ادبی لوازمات اور تاریخی لٹریچر سے مالامال ہے۔ اس کے علاوہ گجراتی۔ مرہٹی۔ اوڑیا۔ کھاڑی، تلنگی۔ تامل وغیرہ یہ زبانیں ہندوستان کے مختلف صوبوں اور خطوں میں بولی جاتی ہیں۔ یہ صوبے اپنے رقبہ کے طول و عرض کے اعتبار سے ایسے ہیں کہ یورپ کے بڑے بڑے ممالک بھی انکا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

بہرحال لسانی افتراق کے ہوتے ہوئے پودے کی یہ حیثیت نہیں ہے اردو بنگالی یا اردو تلنگی کا جھگڑا ہے۔ بلکہ ہندوستان کی متحدہ قومیت میں کس زبان کو مرکزی یا حکومت جمہوریہ کی زبان تسلیم کیا جائے۔ اردو اور دیوناگری کے سوال کو اس لئے اہمیت ہوگئی کہ اردو اور دیوناگری وسط ہند کی زبانیں ہیں۔ اگر وسط ہند میں بنگالی اور اردو ہوتی تو بنگالی اور اردو کے جھگڑے کا بھی یہی اثر ہوتا جو اردو اور دیوناگری کا ہے۔ جہاں تک رہنمایان ملک کی سعی اور کوششوں کا تعلق ہے میں تو یہ عرض کروں گا کہ ایک حیثیت سے انہوں نے اس افتراق کو ذرا سے تغیر اور تبدل کے ساتھ باقی رکھنے میں متحد نظر آنے لگے۔ اس لئے کہ اردو اور دیوناگری کی فرقہ وارانہ حیثیت انگریزی راج میں جو قایم ہو چکی تھی وہ اب بھی باقی ہے اور آئندہ بھی باقی رہیگی۔ دیوناگری تو بہرحال ایک فرقے کی زبان تھی ہی اور ہے مگر بیچاری اردو کس جرم میں ایک فرقے کی زبان کہلائی جانے پر مجبور کر دی گئی۔ یہی نا کہ پھیلائی ہوئی متعصبانہ اسپرٹ اگر آپ کی یہ رائے ہے کہ اردو مسلمانوں کی فرقہ وارانہ زبان ہے تو معاف رکھئے مسلمان ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا تھا تو وہ اپنے ساتھ فارسی اور عربی جیسی فرقہ وارانہ زبان لیکر آیا تھا آپ اجازت دیں کہ جو اس کی اصلی فرقہ وارانہ زبان ہے اسکو زندہ کرے۔ جس میں اس کا بہت بڑا مذہبی اور سیاسی فائدہ ہے۔ وہ تو اس اردو زبان کو اختیار کرکے بہت نقصان میں ہے کیونکہ اس کے تعلقات سیاسی اور مذہبی ایشیاء کے ایک بہت بڑے رقبہ سے بالکل ختم ہوگئے اور وہ اپنی ہمسایہ قوموں کی نظر میں یکسر اجنبی معلوم ہونے لگا۔ اور اس کے لئے کس قدر پریشانی کی بات ہے کہ اس کے اصلی مذہبی اور تاریخی لٹریچر فارسی اور عربی میں جس قدر میسر آسکتے ہیں اردو میں تو بالکل صفر کے برابر ہے۔

تعصب کے پردے کو ہٹا کر انصاف اور دیانت داری کی عینک لگا کر اگر دیکھا جائے

تو مسلمانوں نے من حیث القوم ہندوستان کو اپنا وطن اور اس کی عزت اور عظمت تصور کرتے ہوئے اردو کو اپنایا۔ اس لئے نہیں کہ اردو اس کے باپ دادا کی زبان ہے بلکہ اس لئے کہ اردو ہندوستان کی وطنی اور قومی زبان ہے اور جو ہندوستان کی بسنے والی مختلف اقوام کی کاروباری زندگی کے لئے نہایت مفید اور معاون ہے۔

اردو کے ساتھ ظلم | یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ اردو کی جو نوعیت اب سے پچاس برس پہلے تھی اب وہ نوعیت نہیں ہے اس لئے کہ دو قوموں کی اس میں رسہ کشی نے اس کی اصلی ہیئت کو تبدیل کر دیا حقیقی معنی میں اردو فارسی اور دیوناگری کا ایک مقطر ہے۔ اس میں عربی اور سنسکرت کو کوئی دخل نہیں ہے۔ بس عربی اور سنسکرت کو اتنا دخل ضرور ہے کہ فارسی میں اکثر الفاظ عربی کے مل کر فارسی بن گئے۔ اور دیوناگری سنسکرت کی ایک بدلی ہوئی ہیئت جب دونوں مخالف قوموں میں عصبیت کی اسپرٹ پیدا کر دی گئی تو سب سے پہلے زبان پر نزلہ گرا مسلمانوں کی طرف سے عربی کے ثقیل اور غیر عام فہم الفاظ ٹھونسے گئے اور ہندوؤں کی طرف سے سنسکرت کے بھاری اور جناتی الفاظ کو ٹھونسا گیا۔ اس موقعہ پر ایمانداری سے یہ کہنا پڑیگا کہ زبان کی جو حیثیت ہمارے قومی رہنماؤں نے تسلیم کی ہے وہ واقعی طور پر ہماری مشترکہ قومی زندگی کے لئے نہایت مفید ثابت ہو گی۔ اس سلسلہ میں اردو اور دیوناگری کے لفظی جھگڑوں سے بلند ہو کر ہندوستانی کے ایک مشترکہ لفظ کو ایجاد کیا۔ اگرچہ میں اب بھی یہ کہوں گا کہ اردو کے لفظی جھگڑے کو فرقہ واریت پر محمول کیا گیا جو سراسر مذموم ہے۔ ایسا نہ ہونا چاہئے تھا۔ مگر جب اس کے حل کی کوئی شکل سامنے اور نہ آسکی تو لفظ ہندوستانی کو قومی روایت پر محمول کیا گیا۔ اس لسانی انقلاب کو ایک نہ ایک دن ہونا تھا۔ آج نہیں تو کل ضرور ہونا تھا۔ اگر آج ہندوستان پر بالفرض محال کوئی اور قوم حملہ آور ہوتی اور سیاسی اختیارات اس کے قبضہ میں آجاتے تو بھی یہ سوال اس کی مناسبت سے طاقت اور قوت کے ذریعہ حل کرا لیتی۔ حل کیا کرا لیتی بلکہ اگر اس کے پاس بھی کوئی نہ کوئی زبان ہوتی تو وہ زبردستی انگریزوں کی طرح ہندوستان پر اپنی زبان اور اپنا کلچر تھوپ دیتی۔

لسانی عصبیت اور اس کا علاج | جیسا کہ قومی اور ملکی مفاد کے پیش نظر زبان کی تجدید ہوئی ہے اس کے لحاظ سے ہمارا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ ہم جب کبھی قومی پلیٹ فارموں پر آئیں تو زبان کے لحاظ سے ہم ہندوستانی ہوں اور ہونا بھی یہی چاہئے۔ مگر ہم نے اس کے برخلاف بھی یہ دیکھا ہے کہ وہ لوگ جو بظاہر قومی رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جب کبھی قومی مجلسوں میں آتے

ہیں لسانی حیثیت سے تو ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا قدیم زمانے کے کوئی دیوتا سروپ انسان براجے ہوتے ہیں۔ قوم اور ملک کو قومیت کا سبق دینے کے بجائے ہندو مت اور بدھ مت کا درس دینا شروع کر دیتے ہیں۔

میں اُن سے اس بات کی اپیل کروں گا کہ وہ اس قسم کا روپ پرگٹ کر کے خدا کے لئے قومی پلیٹ فارموں پر نہ آئیں۔ اگر اس سے ایسی ہی دلچسپی ہے تو ان کے لئے ہندو مہاسبھا میں بڑی گنجائش ہے اور ایسے اشخاص کی وہیں زیادہ ضرورت ہے۔ اُن کے لئے وہ جگہ بھی نہایت موزوں اور مناسب ہے۔ اور وہیں رام راج کی تبلیغ بھی اچھی طرح کھلے عام ہو سکے گی قومیت کے نام پر بٹہ لگانے سے یہ طریقہ انسب اور بہتر ہے

اسی سلسلہ میں یہ بات عرض کرنا ضرور ہے کہ ایسے بہروپیے جو قومی پلیٹ فارموں پر آجاتے ہیں اُن کا کیا علاج ہونا چاہیئے۔ اس موقعہ پر میں اپنا ذاتی تجربہ اگر عرض کر دوں تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔ کہ قومی مجلسوں میں ایسے مہاتماؤں کے لئے بس یہ ایک بہترین جواب ہے کہ جب گفتگو اور تقریروں میں پنڈت جی جنی بھاشا میں دیا کھیاں دیں تو اُن کے جواب میں ہمارا رویہ یہ ہونا چاہیئے کہ ہم بھی خالص فارسی اور عربی کے بھاری اور روزنی الفاظ استعمال کریں تاکہ دونوں کی برابر کی حیثیت باقی رہے۔ نہ تو وہ کچھ اپنے پلے لیکر اٹھیں اور نہ ہم۔ اُٹھیں تو دونوں کورے کے کورے اُٹھیں۔ ایک کانفرنس میں میرا اور ایک پنڈت جی کا اسی حیثیت سے ساتھ رہا۔ ایک ہی تجویز پر اُنکی تحریک اور میری تائید تھی۔ پنڈت جی جب تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو بولنے لگے وہی مہابھارت کی قدیم زبان۔ میں قدرے ناگری جانتا ہی تھا۔ اُن کی تقریر کا مقصد اور مفہوم میں تو سمجھ گیا۔ جب میری باری آئی تو میں ٹھہرا عربی طالب علم۔ یہاں عربی الفاظ کی کیا کمی تھی۔ میں نے جو عربی کی ٹھونسم ٹھانس شروع کی تو اب پنڈت جی بڑے چکرائے۔ اجلاس کی دوسری نشست میں جب دوبارہ پنڈت جی تشریف لائے تو ایسا معلوم ہوا کہ گویا وہ آپ ہی کی ذات گرامی ہے جس نے

"ہندوستانی کی تجدید فرمائی ہے"

شرکت کانگریس اور شریعت غرا

اہم سوالات ــــ اور ــ بصیرت افروز فتاوے

(از دار الافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد)

سوال: ایک ایسا ملک جس کے باشندگان میں ایک چوتھائی سے کچھ زیادہ مسلمان ہوں اور اکثریت کفار کی ہو۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔ وہ اپنے مذہبی فرائض و مراسم اور اپنی دینی امور کیسے انجام دیں بالخصوص ایسی حالت میں کہ وہاں کی اکثریت والی قوم مسلمانوں کے مذہبی فرائض مثلاً قربانی گاؤ و اذان وغیرہ میں مخل ہو اور آزادی کے ساتھ ان فرائض کو ادا کرنے نہیں دیتی ہو۔ اور حکومت مسلطہ کا قانون بھی مسلمانوں کی پشت پناہ نہ ہو۔

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی۔ آپ کا طریق عمل ہر زمانہ میں ملت اسلامیہ کے لئے بہترین لائحہ عمل ہے۔ ہر ایک مومن کے لئے مشعل راہ ہے۔ اسی کی طرف دوڑتا ہے اور اسی کی اتباع کر کے دارین کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ کے دو حصے ہمارے سامنے ہیں۔ ان کے یہ دو نام ہیں۔ مکی زندگی، مدنی زندگی۔ ان دونوں زندگیوں میں نمایاں تفاوت ہے اور اسی کے بموجب قرآن پاک میں خداوندی احکام موجود ہیں۔ مکی زندگی کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اتبع ما اوحی الیک من ربک لا الہ الا ھو واعرض عن المشرکین۔ سورہ انعام پ ۷ ع ۱۳۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے جو وحی نازل کی جا رہی ہے اس کی اتباع کرو۔ اور مشرکین سے اعراض کرتے رہو۔

فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین۔ سورہ حجر پ ۱۴ ع ۶۔ جس کا تمہیں حکم کیا جا رہا ہے صاف صاف بیان کرتے رہو۔ اور مشرکین سے اعراض کرتے رہو۔ اعراض کرنے کے معنے یا تفسیر دوسری آیت میں کر دی گئی۔

ودع اذاھم وتوکل علی اللہ۔ ان کی ایذا رسانی سے قطع نظر کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔

جادلهم بالتی هی احسن فاذا الذی بینك و بینهم عداوة كانه ولی حمیم
سب سے بہتر صورت سے اُن سے مقابلہ کرو تو دیکھو گے جن سے عداوت تھی وہ خالص دوست ہو گئے

واللہ اعلم بالصواب۔ حاصل یہ رہا کہ اپنے مسلک پر پوری قوت سے قائم رہ کر اپنے فرائض کو انجام دیتے رہو۔ اُن کی ایذاء اور سختی کا جواب نرمی۔ بلند اخلاق اور کریمانہ صفات صداقت اور مظلومانہ حقانیت سے دو۔ اسی مقدس زندگی کا اصول یہ تھا۔

لکم دینکم ولی دین
تمہارے لئے تمہارا دین۔ میرے لئے میرا دین

اس مقدس حیات میں چند دور گزرے (الف) تبلیغ سرہ۔ پوشیدہ تبلیغ۔ (ب) تبلیغ جہرا (ج) تبلیغ جہری کے ساتھ دشمنوں کے تمام حملوں کا صبر و استقامت۔ بالفاظ دیگر عدم تشدد سے مقابلہ

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ۔ ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وغیرہ وغیرہ صحابہ کرام اور خود حضرت سرور کائنات۔ فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے سیکڑوں واقعات اس حقیقت کے لئے شاہد ہیں۔ علامہ ابن قیم زاد المعاد میں تحریر فرماتے ہیں۔

اقام صلی اللہ علیہ وسلم بعد ذالك (النبوة) ثلث سنین۔ یدعوالی اللہ سبحانہ تعالیٰ مستخفیا۔ ثم نزل علیہ فاصدع بما تومر و اعرض عن المشرکین۔ فاعلم صلی اللہ علیہ وسلم بالدعوۃ وجاهد قومہ بالعداوۃ۔ واشتد الاذی علیہ۔ علی المسلمین حتی اذن لهم بالهجرتین۔

زاد المعاد کشوری صہ ۲ ج ۱

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد تین سال تک مکہ معظمہ میں خفیہ طور پر اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ پھر ارشاد الٰہی نازل ہوا۔ فاصدع بما تومر الآیۃ۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے علانیہ تبلیغ اسلام شروع کردی۔ اور کھلم کھلا اپنی قوم کا مقابلہ کرنے لگے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں پر کفار کی زیادتی روز افزوں ترقی رہی۔ حتیٰ کہ دو مرتبہ ہجرت کا حکم ہوا۔

(د) جو غیر مسلم آپ سے موالات برتتے اس کے ساتھ موالات۔ چنانچہ ابوطالب وغیرہ بنو ہاشم سے آپ موالات کرتے رہے۔ مکہ معظمہ میں آپ اور مسلمان اور بنو ہاشم ایک جماعت

ایک جماعت مانی جاتی تھی۔ اس جماعت کی طرف سے گفتگو وغیرہ جب ہوتی تو اکثر ابوطالب پیش پیش رہتے۔ چنانچہ شعب ابی طالب کے حصار کے بعد اس سے رہائی اور اس جیسے متعدد واقعات میں ابوطالب نے پوری جماعت کی طرف سے گفتگو کی اس زمانہ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ابن دَغنہ کی پناہ حاصل کی۔ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت نے حبشہ میں جاکر شاہ حبشہ کی پناہ حاصل کی جو ابتک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ ابوطالب کی زندگی تک کفار مکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ستانے میں اس قدر آزاد نہ تھے۔ کیونکہ ابوطالب کافر تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پناہ میں لئے ہوئے تھے جب ابوطالب کا انتقال ہو گیا تو اب کفار مکہ قطعاً آزاد تھے۔ اب دل کھول کر حضور کے ساتھ گستاخیاں شروع کیں۔ حتی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے۔ اور جب وہاں کفار نے انسانیت سے گزر کر ظلم و تعدی کیا تو پھر آپ مکہ کی طرف واپس ہوئے۔ لیکن مکہ میں داخلہ کسی کی پناہ لئے بغیر خطرناک تھا۔ تو آپ نے مطعم بن عدی۔ کافر سے امان اور پناہ حاصل کی۔ اس قسم کی تفصیلات سے احادیث مقدسہ اور کتب سیر و تواریخ کے اوراق پُر ہیں۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس زمانہ میں پیش نظر یہ تھا کہ مسلمانوں میں قوت مقابلہ پیدا ہو جائے۔ مگر قوت مقابلہ کے وجود تک صبر و استقلال۔ صادق مظلومیت پر ثبات اور استقامت کا حکم تھا۔ ظلم و تعدی سے درگزر کرنے کے لئے بار بار اعرض عن المشرکین کے احکام نازل ہو رہے تھے۔ جہاد سے ممانعت تھی اور جب یہ صورت مکہ معظمہ میں ممکن نہ ہو سکی تو آپ نے ہجرت فرمائی۔ اور پھر ایک دراز عرصہ تک ہجرت کا ہی حکم رہا۔ حتی کہ خداوند عالم نے مکہ کو فتح کرایا۔ مظلومیت کو غلبہ سے۔ خطرات کو امن سے اور گوندوازی کو راحت سے مبدل فرمایا۔ سیرت اور احادیث کے تمام واقعات درج کئے جائیں تو سیکڑوں صفحات بھی ناکافی ہوں۔ ہم سردست حضرت سیدنا مولانا شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کے مختصر کلمات درج کئے دیتے ہیں۔ جو مذکورہ تمام بیان کے لئے شاہد بھی ہوں گے۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

ثم امر بالدعوۃ فاشتغل بھا اخفاءً فامنت خدیجۃ وابوبکر

پھر تبلیغ کا حکم کیا گیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ طور پر تبلیغ میں مشغول ہو گئے

الصدیق و بلال و امثالهم رضی
الله عنهم۔ ثم قیل له فاصدع بما
تؤمر۔ وقیل وانذر عشیرتك
الاقربین فجهر بالدعوة وابطال
وجوه الشرك

فتعصب علیه الناس۔ واذوه
بالسنتهم و ایدیهم کقصة
القاء سلی جزور والخنق وهو
صابر فی کل ذلك یبشر المومنین
بالنصر و ینذر الكافرین بالانهزام
کما قال الله سیهزم الجمع
ویولون الدبر

ثم ازدادوا فی التعصب فتقاسموا
علی ایذاء المسلمین ومن والاهم
من بنی هاشم و بنی المطلب
فهدوا الی الهجرة قبل الحبشة
فوجدوا سعة قبل السعة
الكبری

ولما ماتت خدیجة رضی
الله عنها ومات ابوطالب
عمه وتفرقت کلمة بنی هاشم
فنزع لذلك وکان قد نفث
فی صدره ان علو کلمة
فی الهجرة نفثا وحالیا

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضرت صدیق اکبر حضرت
بلال رضی اللہ عنہما اور ان جیسے حضرات مشرف
بایمان ہوئے۔ پھر حکم نازل ہوا فاصدع بما تومر۔
اور حکم نازل ہوا انذر عشیرتک الاقربین
چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اور
دلائل شرک کا ابطال۔ علانیہ طور پر شروع کردیا
لوگوں نے آپکے مقابلہ پر عصبیت کا اظہار شروع
کیا۔ اور آپکو زبانوں اور ہاتھوں سے تکلیف
دینی شروع کردی جیسے اونٹ کی اوجھ ڈالنے
یا گلا گھونٹنے کا قصہ۔ آپ ان تمام مصائب
پر صبر کرتے رہے۔ مسلمانوں کو فتح و نصرت کی بشارت
دیتے تھے اور کافروں کو ہزیمت اور شکست
کی خبر دیتے تھے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد
ہوا ہے سیہزم الجمع ویولون الدبر
پھر کفار مکہ عصبیت کے اظہار میں اور بڑھ گئے
انہوں نے مسلمانوں کی اور ان لوگوں کی ایذا
رسانی کا معاہدہ کرلیا جو آل ہاشم اور آل مطلب
میں سے مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ اب مسلمانوں کو
حبشہ کی جانب ہجرت کی رہنمائی کی گئی۔ ان
حضرات سے حبشہ پہنچکر بڑی فراخی سے بیشتر
(جو مدینہ طیبہ میں حاصل ہوئی) ایک فراخی حاصل کی
جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی اور حضور کے
چچا ابوطالب بھی مرگئے اور آل ہاشم کا شیرازہ منتشر ہوگیا
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس صورت حال سے پریشان
ہوئے۔ آپکے ذہن مبارک میں یہ بات مجمل طور پر القا کردی گئی

فتلقاه بروية وفكر- فذهب وهلة الى الطائف ولقي عناءً شديداً

ثم الى بني كنانة - فلم يرمنهم مايسره فعاد الى مكة بعهد من زمعة

کہ آپکی تحریک کی بلندی ہجرت میں ہو- آپ نے اس اجمالی الہام پر غور و فکر شروع کر دیا- آپ کا خیال طائف کی طرف منتقل ہوا- اور وہاں پہنچکر آپ نے سخت تکلیف برداشت کی- پھر آپکو بنی کنانہ کا خیال آیا- مگر اُن سے کوئی خوشگوار بات نظر نہ آئی- اسکے بعد آپ زمعہ سے معاہدہ کرکے مکہ معظمہ میں واپس تشریف لے آئے-

ثم قال- ثم كان النبي صلے الله عليه وسلم يستنجد من احياء العرب

حضرت شاہ صاحب اسکے بعد فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبائل عرب سے قوت حاصل کرتے تھے۔

ثم قال- ثم عاهد النبي صلے الله عليه وسلم- اليهود وامن شرهم

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں- پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہود سے معاہدہ کیا اور اُن کے شر سے مامون ہوئے-

ثم قال ورغبهم في الهجرة من اوطانهم لانها يومئذٍ دار الكفر- ولا يستطيعون اقامة الاسلام هناك و شد المسلمين بعضهم ببعض بالمواخاة - و ايجاب الصلة والانفاق والتوارث فتلك المواخاة لتتفق كلمتهم فيتاتى الجهاد و يمتنعوا من اعداءهم-

پھر شاہ صاحب فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو رغبت دی کہ وہ اپنے وطن چھوڑکر مدینہ طیبہ چلے آئیں- کیونکہ انکے وطن اس زمانہ میں دارالکفر تھے اور وہ وہاں پر اسلامی قانون جاری نہیں کر سکتے تھے- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوت کا رشتہ قایم کرکے نیز صلہ رحمی اور انفاق و توارث کو واجب کرکے مسلمانوں میں قوت پیدا کی- یہ مواخاۃ اس لئے تھی کہ انکا کلمہ متفق ہو- تاکہ جہاد ممکن ہو سکے اور اپنے دشمنوں سے محفوظ ہو سکیں-

وكان القوم الِفُوا التناصر بالقبائل ثم لما رای الله

وہ لوگ قبائل سے تعاون حاصل کرنے کے عادی تھے پھر جب اللہ تعالے نے اُنکے اجتماع اور قوت کو

فيهم اجتماعًا وبلدةً أوحى إلى نبيه أن يجاهد ويقعد لهم كل مرصد۔ حجة الله البالغة ص ۱۸۹ و ۱۹۱ ج ۲

دیکھ لیا تو اپنے نبی کے پاس وحی بھیجی کہ جہاد کریں اور کفار کے مقابلہ کے لئے ہر ایک مرصد میں بیٹھیں۔ ۱۲ حجۃ اللہ البالغہ

وفي الطبقات الكبيرات لابن سعد وأقام بنخلة (أي حين رجعه من الطائف) أيامًا فقال له زيد بن حارثة كيف تدخل عليهم يعني قريشًا وهم أخرجوك فقال يا زيد إن الله جاعل لما ترى فرجًا ومخرجًا۔ وإن الله ناصر دينه ومظهر نبيه ثم انتهى إلى حراء فأرسل رجلًا من خزاعة إلى مطعم بن عدي۔ أدخل في جوارك؟ فقال نعم۔ ودعا بنيه وقومه فقال تلبسوا السلاح وكونوا عند أركان البيت فإني قد أجرت محمدًا فدخل رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعه زيد بن حارثة۔ حتى انتهى إلى المسجد الحرام۔ فقام مطعم بن عدي على راحلته۔ فنادى يا معشر القريش إني قد أجرت محمدًا فلا يهجه أحد منكم

ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے (طائف سے واپسی پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز نخلہ مقام میں قیام فرمایا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ قریش کے شہر میں (مکہ میں) کیسے تشریف لیجائینگے قریش نے تو آپکو خارج کر رکھا ہے۔ حضور نے فرمایا (صلے اللہ علیہ وسلم) میاں زید! اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کے لئے کشود کار اور کوئی سبیل پیدا کر دیں گے جو آپکی نظر کے سامنے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد فرمائینگے اور اپنے نبی کو غلبہ دینگے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرا تک تشریف لائے۔ آپنے بنی خزاعہ کے ایک شخص کو مطعم بن عدی کے پاس بھیجا کہ کیا میں تمہاری پناہ میں داخل ہو سکتا ہوں؟ مطعم بن عدی نے اقرار کر لیا۔ اور اپنے لڑکوں و اپنی برادری کے آدمیوں کو بلا کر کہا ہتھیار لگا لو اور ارکان بیت اللہ کے پاس بیٹھ جاؤ۔ کیونکہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دی ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے اور زید بن حارثہ آپکے ساتھ تھے۔ آپ مسجد حرام میں پہنچے۔ پھر مطعم بن عدی اپنی اونٹنی پر کھڑا ہوا۔ اور آواز دی اے جماعت قریش میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دیدی۔ انکو کوئی شخص پریشان نہ کرے

فانتهى رسول الله صلى الله عليه وسلم الى الركن فاستلمه وصلى ركعتين وانصرف الى بيته ومطعم بن عدى وولده مطيفون به (الطبقات ابن سعد كاتب الواقدى ص۱۴۲ ج۱ وبمعناه فى سيرة النبى صلى الله عليه وسلم لابن هشام ص۲۰۶ - ج۱

پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم "رکن" کے پاس تشریف لیگئے اس کو بوسہ دیا۔ دو رکعت نماز ادا کی۔ اور دولت خانہ پر تشریف لیگئے مطعم بن عدی اور اس کے لڑکے آپکے گرداگرد گھوم رہے تھے۔ طبقات ابن سعد ص۱۴۲ ج۱ یہی مضمون سیرت ابن ہشام میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو ص۲۰۶ - ج۱

یہ تمام واقعات اس قدر معروف و مشہور ہیں کہ ان کا انکار گویا آفتاب نیمروز کا انکار ہے سوال یہ ہے کہ آیا اس قسم کے احکام آج بھی شریعت غرا میں موجود ہیں۔ یا سبکے سب منسوخ ہوگئے۔ چونکہ فتویٰ ہمیشہ حالات اور مقتضیات کے بموجب ہوتا ہے تو اگر کسی ملک یا شہر کے حالات مکہ جیسے ہوں تو کھلی ہوئی چیز ہے کہ مکہ جیسے احکام وہاں جاری ہوں گے یہ ایک ایسا واضح اور جلی قیاس ہے۔ جس کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں۔ ظاہر ہے کہ سفر کے احکام اور ہوتے ہیں۔ حضر کے احکام اور پانی پر قدرت کی صورت میں اور احکام ہوتے ہیں اور قدرت نہ رہنے کی شکل میں دوسرے احکام ہوتے ہیں۔ یہ جملہ احکام۔ قرآن۔ حدیث اور کتب فقہ میں موجود ہیں۔ اسی صورت سے دار الحرب کے احکام اور رہوں گے اور دار الاسلام کے احکام اور۔ چنانچہ جب سوال میں ہندو کے بجائے انگریز کو رکھ لیا جاتا ہے اور یہی سوالات اسی نوعیت سے کئے جاتے ہیں تو جواب وہی دیا جاتا ہے جو دوسرے شخص کا جواب ہندو کے مقابلہ میں ہونا چاہیئے۔ مگر بایں ہمہ ذیل کی عبارت اصول تفسیر کی مشہور اور مستند کتاب اتقان فی علوم القرآن سے نقل کرکے پیش کی جاتی ہے۔ جس سے یہ واضح ہوجائیگا کہ مدنی زندگی کے یہ تمام احکام جس کا تعلق دار الحرب سے ہے وہ منسوخ نہیں ہوئے۔

الثالث ما امر به بسبب ثم يزول السبب كالامر حين الضعف والقلة بالصبر والصفح ثم نسخ بايجاب القتال وهذا فى الحقيقة ليس نسخا بل من

فسخ کی تیسری قسم وہ احکام ہیں جو خاص اسباب اور وجوہات کی بنا پر تھے پھر وہ زائل ہوگئے جیسے کمزوری اور قلت کے وقت صبر اور درگزر کا حکم تھا پھر قتال کے وجوب سے یہ حکم کردیا گیا۔ مگر در حقیقت نسخ نہیں ہے اسکو اصطلاحاً نسخ کہا

من قبیل النسأ. کما قال اللہ
تعالے ۲و ننسھا۔ فالنسا ھوالامر
بالقتال الی ان یقوی المسلمون
وفی حال الضعف یکون الحکم
وجوب الصبر علی الاذی الآیۃ
اتقان صـ۳۱۱ـ

جاتا ہے۔ یعنی وہ احکام جو موخر یا ملتوی کردیے
گئے ہوں۔ چنانچہ قرآن پاک میں اس قسم کے
متعلق تذکرہ موجود ہے۔ (او ننسھا) پس مسلمانوں
میں قوت حاصل ہونے تک جدال وقتال کا حکم
ملتوی مانا جائیگا اور کمزوری کی حالت میں تکلیف
اور مخالفین کی اذیت پر صبر کرنا ہی واجب ہوگا

الحاصل۔ حالات مذکورہ سوال ۱ کے پیش آنے کے وقت مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے حالات اور واقعات سے سبق حاصل کریں اور ترقی مسلم کے اہم نظریہ کو سامنے رکھتے ہوئے ملکی اور ملی مصالح کے بموجب اشتراک عمل یا ترک موالات کے اصول پر کاربند ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ محمد میاں عفی عنہ

سوال ۲

مذکورۂ بالا ملک میں کوئی ایسی جماعت ہو جو اپنا نصب العین اس ملک کو غلامی سے نجات دلانا بتلاتی ہو اور عمل کا یہ حال ہو کہ حکومت مسلطہ کے ساتھ قوانین کے وضع ونفاذ میں شریک ہو بلکہ حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر مذکورہ جماعت کے ذمہ دار افراد جماعت کی اجازت سے فائز ہوں اور پھر یہ کہ ۹۹ فیصدی کفار اس کے ممبر ہوں اور کسی امر کے فیصلہ کے لئے رائے شماری کا اصول ہو تو کیا صرف اس بنا پر کہ یہ جماعت اپنا نصب العین مکمل آزادی ظاہر کرتی ہے مسلمان اس کے اندر شریک ہو جائیں اور اپنے مذہبی و ملکی مفاد اور حقوق کا نگہباں اس جماعت کو تسلیم کریں؟

الجواب

سوال ۲ کے چند حصے ہیں۔ پہلا حصہ۔ اس جماعت کی حقیقت اور حالت سائل کے خیال کے بموجب۔ دوسرا حصہ۔ کیا اس میں شرکت جائز ہے۔ تیسرا حصہ۔ کیا اس جماعت کو ملکی اور مذہبی مفاد اور حقوق کا نگہبان بنایا جا سکتا ہے۔

اس جماعت کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے سائل صاحب نے حکومت مسلطہ کے ساتھ تعاون کو آزادی کامل کے نصب العین کے منافی قرار دیا ہے۔ مگر منافات کی وجہ نہیں بیان فرمائی

نصب العین کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ فی الحال حاصل ہو۔ ہر ایک تاجر کا نصب العین نفع ہوتا ہے۔ مقدمہ باز کا نصب العین کامیابی ہوتا ہے۔ جنگجو کا نصب العین فتح اور نصرت ہوتا ہے۔ مگر نصب العین کے حصول سے پہلے بہت کچھ مرحلے طے کئے جاتے ہیں جن میں نفع کے بجائے نقصان نظر آتا ہے۔ سوداگر بسا اوقات مدتوں نفع کی امید پر ہزاروں روپیہ خرچ کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح مقدمہ باز اور یہی حال جنگجو اور مبارز کا ہے۔ بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ نصب العین کے حصول سے پہلے اپنی زندگی کو نصب العین پر قربان کر دیا جاتا ہے سیرت مقدسہ کا وہ واقعہ تو ہر مسلمان کو یاد ہونا چاہئے۔ جو حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا تھا خدا کے مقدس اور برتر رسول نے مکہ کے کفار کے ساتھ اتنی دب کر صلح کی کہ فاروق اعظم جیسا مدبر اور دور اندیش بھی جھنجلا اُٹھا۔ ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی مکہ کا باشندہ مسلمان ہو کر آئے گا تو اس کو واپس کرنا مسلمانوں پر لازم ہوگا۔ اور کوئی مسلمان اگر معاذ اللہ مرتد ہو کر مکہ کے کافروں میں جا ملے تو اس کے متعلق مسلمان کوئی مطالبہ نہ کر سکیں گے۔ فاروق اعظم سے ضبط نہ ہو سکا۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ کیا ہم حق پر نہیں؟ جواب ہوا۔ ضرور حق پر ہیں۔ فاروق اعظم نے عرض کیا پھر اس قدر پست ہو کر صلح کی کیا ضرورت ہے۔ یہ صلح اس وقت ہوئی تھی کہ ۱۴ سو جاں نثاران اسلام اس سے کچھ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر پوری صداقت اور کامل خلوص کے ساتھ میدان جنگ سے نہ بھاگنے کا۔ یا بالفاظ دیگر موت کا عہد کر چکے تھے۔

مگر کیا معمولی سا خطرہ اور وسوسہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر اس وقت اسلام کی کامیابی۔ کلمۃ اللہ کی برتری نہ تھی۔ معاذ اللہ ضرور تھی۔ مگر سیاست کے تقاضے مختلف ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت حق جل مجدہ کی بارگاہ سے اس کامیاب سیاست کو فتح مبین کا خطاب دیا گیا۔

اور عرش معلیٰ سے رب العالمین کی وحی نازل ہوئی انا فتحنا لک فتحا مبینا

ہمارا مقصود یہ ہرگز نہیں کہ کانگرس کے موجودہ تعاون کو صلح حدیبیہ کی مقدس تاریخ کے ساتھ تشبیہ دیں۔ مقصود یہ ہے کہ نصب العین کے حاصل کرنے کے لئے بہت سے مراحل طے کرنے پڑتے ہیں۔ اور کامیابی کے ساتھ اُن مراحل پر گزرنا ہی سیاست کہلاتا ہے۔

بہر حال نصب العین کا جب فی الحال وقوع پذیر اور موجود ہونا ضروری نہیں تو اب

سوال یہ ہوتا ہے کہ ایسی جماعت کا حکومت متسلطہ سے موجودہ تعاون آیا اس بنا پر ہے کہ نصب العین بدل دیا - یا اس بنا پر ہے کہ نصب العین کے لئے مقرر کردہ لائحہ عمل (پروگرام) کا ایک جز یہ بھی ہے -

مگر چونکہ اس جماعت کو اب سے ڈیڑھ سال پیشتر جب کہ وہ حکومت سے بائیکاٹ کئے ہوئے تھی - تب بھی اسی نظر سے دیکھا جاتا تھا - حالانکہ نصب العین یہی تھا - لہذا اولاً تو یہ سوال کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا - ثانیاً اس جماعت کا دعوی یہ ہے کہ یہ تعاون اپنا نصب العین حاصل کرنے کے لئے ایک وقتی تدبیر ہے - جو اسلامی قانون کے لحاظ سے "الحرب خدعۃ" (جنگ ایک پالیسی کا نام ہے) کے تحت میں آسکتی ہے -

بہرحال موجودہ تعاون کو جب کہ ابطال دعوی کی دلیل نہیں قرار دیا جاسکتا تو اب سوال صرف یہ رہجاتا ہے کہ جس جماعت میں ۹۹ فی صدی غیر مسلم ہوں اور تصفیہ معاملات کثرت آراء سے ہوتا ہو - تو اس جماعت میں مسلمانوں کو شریک ہونا جائز ہے یا نہیں - اور آیا اس کو اپنے مذہبی اور ملکی حقوق کا نگراں بنایا جاسکتا ہے یا نہیں - تو جواباً عرض ہے کہ جہاں تک مذہبی مفاد اور حقوق کی حفاظت کا تعلق ہے اس کی نگرانی خالصاً فریضہ مسلم ہی ہے - غیر مسلم جب خود احکام اسلام کا منکر ہے تو اس پر احکام اسلام کی حفاظت ڈالنا سراسر غلطی ہے اگر ان احکام کا احترام اس کے دل میں ہوتا تو وہ مسلمان نہ ہو جاتا -

اسی بنا پر اگر کوئی جماعت خالص اسلامی حقوق اور مفاد کی نگرانی کا ذمہ دار کسی غیر مسلم جماعت کو یا اسی جماعت کو جس کو مسلم جماعت نہ کہا جاسکتا ہو - گردان کر اس میں شرکت کی دعوت دے - یا غیر مسلم جماعت میں شرکت کے لئے خالص اسلامی حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری کو شرط قرار دے (جیسا کہ مسلم لیگ کانگرس سے مطالبہ کر رہی ہے) تو ہمارے خیال میں سراسر دھوکا اور غلط کاری ہوگا -

کس قدر عجیب بات ہے کہ دولت کے تحفظ کی توقع اُن سے کی جارہی ہے جو اپنے عقیدے میں رہزن ہیں - بہرحال مذہبی حقوق کا تحفظ تو خالصاً فریضہ مسلم ہے - اور اس کے لئے اُن کو ہر مناسب تدابیر کرنی چاہئیے - باقی رہا ملکی مفاد - مثلاً اپنے ملک کی مصنوعات کو غیر ملکی مصنوعات پر ترجیح دینا - تاکہ باشندگان ملک کی بے روزگاری دور ہو - فاقہ ٹوٹے یا زراعت کے سلسلہ میں ایسی صورتیں سوچنا - کہ زراعت پیشہ اصحاب کو سہولت ہو - تو ظاہر ہے کہ اس قسم کے

معاملات میں مذہب کا سوال نہیں آتا۔ بلکہ اس کا تعلق اس کاروبار سے ہوتا ہے۔

جو بھی اس کاروبار کو کرتا ہوگا۔ اس کو فائدہ ہوگا۔ خواہ مسلمان ہو یا ہندو۔ مثلاً اگر غیر ملکی کپڑے کا بائیکاٹ کرکے ملکی کپڑے کا استعمال ہو تو ملک کے پارچہ بافوں کا فائدہ ہوگا جو خوش قسمتی سے زیادہ تر مسلمان ہیں۔ اگر غیر ملکی ظروف کا بائیکاٹ کرکے ملک کے بنے ہوئے ظروف کا استعمال کیا جائے تو ظاہر ہے کہ اہل ملک کا فائدہ ہوگا۔ جو مراد آباد میں اکثریت کے ساتھ بلکہ کلیتہ مسلمان ہی ہیں۔ یہاں مقابلہ مذہب کے لحاظ سے نہیں بلکہ طبقات اور اقتصادی جماعتوں کے لحاظ سے ہے۔ جس میں ہندو مسلمان دونوں برابر کے شریک ہیں۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احقر کا رسالہ" آنے والے انقلاب کی تصویر)

اس صورت میں اشتراک عمل کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ خصوصاً جبکہ عام مسلمانان ہند خواہ نیک ہوں یا بد۔ عالم ہوں یا غیر عالم۔ دیندار ہوں یا دنیادار۔ اس قسم کے معاملات میں ہندو مسلم اشتراک کو جائز بلکہ ضروری سمجھتے چلے آتے ہیں۔ بلکہ اشتراک ہی میں مفاد ملت کا تحفظ یقین کرتے رہے ہیں۔ مثلاً سرکاری ملازمتوں۔ کونسلوں۔ اسمبلیوں۔ میونسپل بورڈ ڈسٹرکٹ بورڈ۔ ٹاؤن ایریا۔ ایجوکیشنل بورڈ۔ اسکول۔ تجارتی انجمن۔ مزدوروں کے یونین۔ وکلاء کے ایسوسی ایشن۔ صنعت وحرفت کی انجمنیں۔ زمینداروں کی انجمن۔ وغیرہ وغیرہ۔ سیکڑوں چیزیں ہیں۔ جن میں آئے دن مسلمان ہندوؤں کے ساتھ شریک رہتے ہیں۔ اس شرکت کو ضروری سمجھتے ہیں۔ مذہب کا نام لیکر اس شرکت کے لئے اپیل کرتے ہیں۔ ہزاروں روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ کیا آج تک کسی نے فتویٰ دیا کہ چونکہ ان چیزوں میں ہندوؤں کے ساتھ اشتراک ہوتا ہے۔ یا ہندو اکثریت کے ساتھ ہیں۔ لہذا اشتراک حرام۔ باطل اور ناجائز ہے۔

پھر جبکہ وہ جماعت جس کے متعلق سوال کیا جارہا ہے۔ ان ہی چیزوں اور صرف ان ہی چیزوں کے متعلق ہے۔ جن میں اشتراک رات دن روا رکھا جاتا ہے تو پھر اس جماعت میں اشتراک کو ناجائز کیوں کہا جائیگا۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ میونسپل بورڈ۔ کونسل وغیرہ میں (اگر مسلمان اقلیت میں ہیں) تو اُن کی اکثریت یا مساوات ناممکن ہے۔ لیکن زیر بحث جماعت کی کل ممبر گزشتہ سال ۳۰ لاکھ تھے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ۶۰ لاکھ مسلمان ایک دم ممبر بن کر اُس جماعت پر قبضہ کرلیں اور جو حیثیت اُس کی اب ہے اس کو بدل ڈالیں۔

سوال ۳

اگر اس جماعت سے مسلمان خواہش کریں کہ ملک کی آزادی سے پہلے باشندگان ملک میں ایک باہمی سمجھوتہ ہو جائے کہ آزادی کے بعد طریقۂ حکومت کیا ہوگا۔ مسلمانوں کی حیثیت کیا ہوگی اور اپنے مذہبی فرائض جن کی بجا آوری سے مسلمان روک دئے گئے ہیں۔ اور یہ روک تمام محض ملک کی غالب اکثریت کے تعصب و تنگ نظری کے باعث ہے۔ ان میں مسلمان آزاد ہوں گے یا نہیں۔ تو اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ غیر ملک کا باشندہ یہاں حکومت کر رہا ہے۔ پہلے ہم دونوں ملکر اس کو یہاں سے نکال دیں۔ اس کے بعد جو صورت ممکن ہوگی اس پر عمل کیا جائیگا۔ کیا ان حالات کے ماتحت غیر مشروط طور پر مذکور الصدر جماعت کیساتھ مسلمانوں کو وابستہ ہو جانا چاہیے؟

الجواب

فرض کرو صورت وہی ہے جو سائل صاحب نے پیش فرمائی۔ تو اس امر میں تو بظاہر سائل صاحب متفق ہیں کہ حکومت متسلطہ انقلاب کی مستحق اور اخراج کے قابل ہے۔ بہر حال جبکہ حکومت متسلطہ بھی مسلمانوں کے لئے ایک مصیبت اور بلا ہے تو فقہی رو سے ہر مکلف کا فرض ہوتا ہے کہ وہ غور کرے کہ اسلامی نکتہ نظر سے فائدہ کس صورت میں زیادہ ہے یا کونسی چیز زیادہ ضرر رساں ہے اور کونسی کم۔ اور پھر شرعی تدبیر یہ ہے کہ جو اہون اور ہلکی ہو اس کو اختیار کرلے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور فقہاء کرام کا مسلمہ اصول ہے کہ اذا ابتلی ببلیتین فلیختر اھونہما۔ جب دو مصیبتوں میں گھر جائے تو ہلکی مصیبت کو اختیار کرلے اب سوال یہ ہے کہ بڑی مصیبت متسلطہ شہنشاہیت ہے۔ یا ہندو۔ یا وہ جماعت جس کے بارے میں سوال ہو رہا ہے۔ اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اس جماعت کا یا ہندوؤں کا ضرر جو کچھ بھی ہے وہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں تک محدود ہے اور وہ بھی اس صورت سے کہ ہندوستان کے تمام صوبے اور جملہ مقامات اس ضرر میں مساوی نہیں جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ یا جہاں مسلمانوں کی ریاست ہے وہاں معاملہ برعکس ہے اور پھر ضرر کی بھی یہ حیثیت ہے کہ اگر ہندو یا یہ جماعت مسلمانوں کو ۱۶ آنے نقصان پہنچا سکتی ہے تو مسلمان بھی زیادہ نہیں تو ۸ آنے نقصان ضرور پہنچا سکتے ہیں۔ ہر ایک فریق دوسرے کا محتاج ہے۔ مساوی نہیں تو کچھ فرق کے ساتھ بہر حال حاجت ضرور ہے۔ لیکن متسلطہ شہنشاہیت کے

نقصانات - اس جماعت کے نقصانات کے ساتھ ایک اور سنو بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ کی نسبت رکھتے ہیں - اور صورت یہ ہے کہ مسلمان بظاہر اسباب - تنہا - اس شہنشاہیت کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے - وہ بہرحال زبردست ہیں - مجبور - اور لاچار - اور حکومت متسلطہ خود سائل صاحب کے سوال ۱ کے آخری فقرہ کے بموجب مسلمانوں کی پشت پناہ نہیں - اور نہ صرف یہ کہ پشت پناہ نہیں بلکہ مسجد شہید گنج (جہاں فوج کی امداد سے سکھوں کے ہاتھوں مسجد کو شہید کرا دیا گیا) کراچی اور کانپور کے تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ موقع ملنے پر مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ کچلنا چاہتی ہے - آج ہماری آنکھوں کے سامنے آزاد سرحد کے پاکباز مجاہد مسلمانوں پر زندگی تنگ کر رکھی ہے - بلاشبہہ ہر روز اُن کی تباہی پر اتنا خرچ کیا جاتا ہے کہ ہندو نے سو سال میں بھی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں اتنا خرچ نہیں کیا - لاکھوں روپیہ کے گولے ہر روز سرحد کے غیور مسلمانوں اور عاشقان اسلام مجاہدین پر پھینکے جا رہے ہیں - اور اُن کے لاکھوں روپیہ کے سرمایہ کو برباد کیا جا رہا ہے - آبادیوں سے نکال کر وحشی جانوروں کی طرح پہاڑیوں کے غاروں میں زندگی بسر کرنے پر اُن کو مجبور کر رکھا ہے - علاوہ ازیں فلسطین کے خونین واقعات - رات دن دنیائے اسلام کو بے چین کئے ہوئے ہیں - لاکھوں مقدس نفوس - شہید - برباد - تباہ اور خانماں برباد کئے جا چکے ہیں - امان اللہ خاں کا انقلاب اسی شہنشاہیت کے چشم و ابرو کا ادنیٰ کرشمہ تھا - اُس پر کروڑہا روپیہ خرچ کیا گیا -

چند روز ہوئے حضرموت کے عربوں پر آگ اور خون کی بارش کر کے حضرموت پر قبضہ کر لیا - عمان - مسقط پر طاغوتی پنجہ گڑا ہوا ہے - اور اس طرح جزیرہ نماعرب کو محصور کر لیا ہے - کہ ابن سعود - امام یمن - شیوخ حضرموت - وغیرہ وغیرہ - عام عربی ریاستیں اسی شہنشاہیت کے رحم و کرم پر ہیں جن کو ہڑپ کرنے کے لئے موقعہ کا انتظار کیا جا رہا ہے ترک - افغانستان - ایران - عراق - مصر - اس کے جبر و قہر سے پریشان ہیں -

اگر ترکوں کو کسی صورت سے مستثنےٰ بھی کر دیا جائے - تو باقی ممالک تو اس شہنشاہیت کے باعث گویا ہر وقت ملک الموت کے پنجہ میں ہیں - بقول ع خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما درآں باشد یورپ کی خانہ جنگی ان ممالک کے لئے کچھ سامان بقا بنی ہوئی ہے - لیکن کیا کوئی مدبر بھی کسی وقت ان اسلامی ممالک کی طرف سے مطمئن رہ سکتا ہے ؟

یہ اسوقت ہی کہ یورپ اور ایشیا میں تقریباً اسی لاکھ مربع میل رقبہ مسلمانوں سے چھینا جا چکا ہے۔ ان ممالک کی آزاد حکومتوں کو برباد کرکے مسلمانوں کا قلع قمع کیا جا چکا ہے۔

خود ہندوستان کی طویل وعریض اسلامی حکومت کو اسی شہنشاہیت نے برباد کیا۔ بہرحال اگر اس جماعت سے جس کا ذکر سوال میں ہے۔ یا ہندوستان کو اگر یہ نقصان پہنچ رہا ہی کہ کہیں کہیں اذان بند کردیجاتی ہی یا ذبیحہ گاؤ پر کچھ فساد برپا کردیا جاتا ہی۔ حالانکہ وہ بھی اسی شہنشاہیت کے بل بوتے پر ادا رہی شہنشاہیت کے اس اصول کے بموجب ہے کہ "تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو"! تو اس شہنشاہیت نے

(۱) ہندوستان سی اسلامی حکومت کو فنا کیا جس کو ہندو ایک ہزار برس تک بھی مٹا سکا تھا اور نہ مٹا سکتا تھا (۲) بلا کسی شرط کی مسلمانوں پر اپنی شہنشاہیت کو مسلط کرکے انکے مذہبی احکام میں رخنہ ڈالا مساجد کو شہید کیا۔ اُنکو ضبط کیا۔ اور سرکاری عمارتوں میں تبدیل کرلیا۔ چنانچہ آجتک بہت سی مسجدیں سرکاری دفاتر بنی ہوئی ہیں۔ جن میں ہائیکورٹ لاہور کی مسجد سابق حکومت نے اور چند مساجد کو صوبہ بمبئی میں بمبئی کی کانگریسی وزارت نے واگزار کیا۔ (۳) ہندوستان کی صنعت وحرفت کو جو ۹۵ فیصدی مسلمانوں کے قبضہ میں تھی۔ یورپ کی اور مانچسٹر کی مصنوعات کو ترقی دینے کے لئے برباد کرکے کروڑوں باایمان بندگان خدا کو مفلس اور قلاش۔ پراگندہ دل بنایا۔

(۴) سود در سود اور زمینداروں پر ٹیکس پر ٹیکس کے قانون بناکر مسلمانوں کی زمینداریوں کو غیر مسلموں کے قبضہ میں پہنچایا۔ حالانکہ ہندوستان کی زمینداری پر ۴۰ فیصد آنے مسلمانوں کا قبضہ تھا۔

(۵) سرکاری زبان انگریزی قرار دیکر مسلمانوں کی زبان۔ ان کے کلچر پر اس سے کہیں زیادہ نقصان پہنچایا جس کا خطرہ آج اردو۔ ہندی کے قضیہ سے پیش کیا جاتا ہی۔ اور اس انقلاب کے باعث مسلمانوں کو ملازمت کے سلسلہ میں اتنا پیچھے کردیا کہ جدوجہد کے باوجود آج تک مسلمان اس نقصان کی تلافی نہیں کرسکے۔ (دیکھو حکومت خود اختیاری اور مسلمانوں کا روشن مستقبل مصنفہ سید طفیل احمد صاحب اور انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ مصنفہ ایڈورڈ ٹامس۔ مترجمہ حسام الدین بی۔ اے اور علماء ہند کی شاندار ماضی اور داستان بربادی مصنفہ محمد میاں کاتب حروف)

(۶) تفرقہ ڈالو۔ اور حکومت کرو۔ کی پالیسی اختیار کرکے تفریق بین المسلمین کا مجرم بنا۔ حالانکہ اس سے پہلے یہ تفریق نہ تھی۔ (۷) ہندوستان پر قبضہ کرنیکے بعد افغانستان اور ایران کا گلا گھونٹا۔ حتی کہ وہ آجتک خاطر خواہ ترقی نہیں کرسکتے۔ (۸) مصر۔ مالٹا۔ فلسطین۔ شرق اردن۔ عدن۔ وغیرہ وغیرہ کتنے ہی ممالک ہیں جن کو مسلمانوں سے چھینا (۹) عالمگیر جنگ واقعہ ۱۹۱۴ء میں مسلمانوں کو دھوکہ

دیکر (کہ ترکوں سے مذہبی جنگ نہیں۔ ترکی بدستور محفوظ رہیگی) ہزاروں مسلمانان ہند کو بدترین اور جہنمی گناہ کا مجرم بنایا۔ اور مسلمانان ہند کے ذریعہ سے ترکوں کو برباد کیا۔ حجاز مقدس پر ہوائی جہازوں۔ فوج اور مشین گنوں وغیرہ سے حملہ کیا۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ عرب مقدس میں ہر طرف سے غلہ کی آمد بند کر کے مدینہ طیبہ کے ہزاروں مقدس باشندگان کو جو حرم طہر (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے عشق میں دور دراز شہروں سے آکر قیام پذیر ہوئے تھے۔ بھوکا رکھا۔ یہانتک کہ سیکڑوں مقدس نفوس نے اسی بھوک و پیاس کی حالت میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ وغیرہ وغیرہ

بہرحال اگر سائل کے سوال کو سراسر حقیقت پر مبنی قرار دیا جائے تب بھی ہر ہندوستانی مسلمان کا اولین فرض ہے کہ وہ تسلطہ شہنشاہیت کے عذاب عظیم کو جلد از جلد ہندوستان سے نکال کر تمام عالم اسلامی کو پریشانی اور بربادی سے نجات دلائے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ جماعت (جس سے بظاہر کانگریس مراد ہے) اپنا پہلا اصول یہ قرار دے چکی ہے کہ مذہب کے معاملہ میں اسٹیٹ غیر جانبدار رہے۔ ہر ایک اقلیت کا کلچر رسم و رواج وغیرہ محفوظ ہوں گے۔ ہر شخص کو ضمیر کی آزادی۔ رائے کی آزادی حاصل ہوگی وغیرہ وغیرہ

(دیکھو فنڈامنٹل رائٹس یا کانگریس کے بنیادی اصول)

اور اسی طرح وہ اسی اعلان میں ہندوستان میں حکومت کا طرز بھی صفائی سے بتا چکی ہے۔ تو پھر اس سے مزید شرائط کا مطالبہ بے معنی ہے۔

علاوہ ازیں اگر وہ شرائط مذہب کی حفاظت سے متعلق ہیں تو کانگریس جو یقیناً مسلم جماعت نہیں ہے اس سے حفاظت مذہب کا مطالبہ غیرت مسلم کے سراسر مخالف۔ کون خود دار مسلمان گوارا کر سکتا ہے کہ وہ اپنی مسجد کے تحفظ کی دستاویز۔ گاندھی یا جواہر لال سے لکھوائے (معاذاللہ)

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ⁂ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احقر کا رسالہ آنیوالے انقلاب کی تصویر)

علاوہ ازیں جب کہ حکومت متسلطہ کے مظالم وہ ہیں (جو مشتے نمونہ از خروارے) اوپر ذکر کئے گئے اور اس بنا پر انقلاب ضروری ہے تو موجودہ دنیا کا کونسا ہوشمند کسی معاہدہ کو اطمینان کے قابل سمجھ سکتا ہے۔ جب کہ جملہ معاہدات قوت کے ساتھ ساتھ چلے ہیں۔ تاریخ

بتاتی ہے کہ ایک معاہدہ ۱۸۰۵ء میں شاہ عالم سے بھی ہوا تھا۔ مگر کیا کہیں اس کا نام ونشان ہے فلسطین کے عربوں سے جو معاہدہ کیا گیا تھا۔ کیا آج اسی پر عمل ہو رہا ہے۔ جمعیۃ الاقوام کے معاہدات مسولینی اور ہٹلر کی ردی کی ٹوکری میں پڑے ہوئے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

اب اس حالت میں صرف ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ ہندوستان کی ہر جماعت اپنی اندرونی قوت بھی مستحکم کرے۔ اور پورے ہندوستان کے مشترک مفاد کے لئے انگریز کو دھکیلنے اور وطن عزیز کو آزاد کرانے کے لئے مشترکہ جدوجہد کرتی رہے۔

باقی اقلیت کی شکایتیں اگر ہیں یا آیندہ ہوں تو ان کا علاج وہی ہوگا جو آج انگریز کے مقابلہ پر کیا جا رہا ہے۔ یا دنیا کی عام جمہوریتوں میں اقلیت کی پارٹی اکثریت کو مقابلہ میں کرتی رہتی ہے۔ چنانچہ جمعیۃ علماء ہند کا یہی مسلک اور اس کا یہی فتویٰ ہے کہ مسلمان اپنی قوت مستحکم کرنے کے لئے زائد سے زائد جمعیۃ علماء ہند کے ساتھ مربوط ہوں۔ اور انگریز کو نکالنے کے لئے زیادہ سے زیادہ القلاب کے خوگر اور مشاق بنیں۔ اور اس مقصد کے لئے دیگر اقوام ہند سے تعاون اور اشتراک عمل میں کوئی پس وپیش نہ کریں بلکہ اگر انگریز کو نکالنے کی صورت یہی بنتی ہو کہ اقوام ہند سے اشتراک عمل کیا جائے تو جس قدر حکومت متسلطہ کے دردناک عذاب کا اپنے سروں سے اتار پھینک دینا ضروری ہے اتنا ہی دیگر اقوام ہند سے تعاون اور اشتراک عمل بھی ضروری ہے۔

اللھم اھد قومی انھم لا یعلمون

کتبہ

اضعف العباد۔ محمد میاں عفی عنہ مدرس مدرسہ شاہی و قائد التحریر رسالہ ہذا

(دستخط) حضرت مولانا سید (فخر الدین احمد) صاحب صدر مفتی و شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

حضرت مولانا (عبد الحق) صاحب مدنی۔ شیخ التفسیر و مدیر جامعہ قاسمیہ۔ مراد آباد

مولانا قاری (عبد اللہ) صاحب۔ استاذ تجوید۔

مولانا (واحد رضا) صاحب مدرس مدرسہ شاہی مراد آباد

مولانا سید (محی الدین اختر اسلام) صاحب۔ مدیر رسالہ قائد

۲۳ رمضان ۱۳۵۸ھ

تفسیر مختصر و تبویب سورۂ فاتحہ — مسلسل

سورۂ فاتحہ کی سیاسی تفسیر

(از حضرت علامہ غازی ابوالساجد مولانا محمد بن عبداللہ المعروف علامہ منصور انصاری دام ظلہم مقیم کابل)

لاحق

دریں ہم شک نیست کہ مذہب ہم در بنی نوع انسانی موجب رد و خورد ہائے خورد خورد شدہ است۔ و حالا ہم مے شود۔ مگر قبل ازیں کہ ما دران مذہب را ملامت کنیم۔ یا مجرم قابل دار بشناسیم۔ برما فرض ست کہ بہر محرک اصلی نزاعیائے مذہبی خود نظر حقیقت رس انداختہ آنرا در روشنی آریم۔ یک صاحب نظر لاغرض ابدا نمے تواند کہ انکار نماید کہ عامل اصلی منازعات مذہبی علی العموم کدام مقصد دولتی میباشد کہ زمام داران دولتہا برائے حاصل کردن مقصد دولت متبوعہ خویش مردم را بنام مذہب بحرکت آوردہ مخالف ہمدگر مے سازند۔ و آب را خت کردہ ماہی می گیرند

بے گاہے ماہے مذہب بذاتہ ہم سبب تصادم و خونریزی می شود

لیکن دریں موقعہ ہم اگر بنظر عمیق بنگریم چنیں مذہب را مذہب (حق انفرادی)

اس میں بھی شک نہیں کہ ظاہری صورت میں مذاہب بھی بنی نوع انسان میں معمولی تنازعات اور ردوقدح کا باعث بنا ہے۔ اور اب بھی ہوتا رہتا ہے۔ مگر اس سے پہلے کہ ہم مذہب کو ملامت کریں۔ یا قابل دار مجرم قرار دیں۔ ہم پر فرض ہے کہ مذہبی نزاعات کے محرک اصلی پر نظر حقیقت رس ڈالکر اُس کو روشنی میں لائیں۔

ایک بے لوث مبصر کبھی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ مذہبی نزاعات میں بھی علی العموم دولت ہی کا کوئی نہ کوئی مقصد کارفرما رہا ہے۔ کیونکہ زمام دولت کے مالک اپنے آقا یعنی دولت کے کسی کو حاصل کرنے کے لئے عام انسانوں کو مذہب کے نام پر حرکت میں لاکر ایک دوسرے کے مخالف کرتے رہے ہیں اور پانی کو اچھال اچھال کر مچھلی پکڑتے رہے ہیں۔

ہاں کبھی کبھی مذہب بذات خود بھی تصادم اور خونریزی کا سبب بن سکتا ہے۔

لیکن اس موقعہ پر بھی اگر گہرے غور و فکر سے کام لیا جائے تو ایسے مذہب کے لئے مذہب یعنی

یک مسلک دولتی خواہیم یافت کہ آن ہم اصول دولت مستقلہ بودہ میخواہد کہ "با لنحاصمین خویش بدم شمشیر فیصلہ نماید"۔

انفرادی حق کے بجائے دولت کا بھی ایک راستہ وہاں دریافت کریں گے کہ وہ بھی دولت مستقلہ کا اصول بنکر چاہتا ہے اپنے معاندین کا فیصلہ تلوار کی دھار سے کردے ۵

غیرازیں ہم بعض فسادات کہ بنام مذہب برپا کردہ می شوند۔ چناں ہم دیدہ میشوند کہ بمقصد دولتی و یا بغرض دولتی تماسے ندارند۔

علاوہ ازیں بعضے وہ فسادات جو مذہب کے نام پر کئے جاتے ہیں ایسے ہی دیکھے جاتے ہیں کہ دولت مقصد اور غرض سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

مگر ایں ہا اول شاذونادر و باعتبار اثر خود نہایت محدود بودہ قابل نمی باشند کہ در جہات اجتماعی ذکر شوند۔

مگر اول تو وہ شاذونادر اور اپنے اثر کے اعتبار سے نہایت محدود ہوتے ہیں جو اس قابل نہیں ہوتے کہ اجتماعی جہات میں ان کا ذکر کیا جائے۔

علاوہ بریں چنیں نزاعات فضول عموماً اثر جہل عمیق متنازعین می باشد۔ علاج آنہا بجائے اینکہ سر مذہب بسنگ طعن تشنیع بکوبیم ــــ ایں ست کہ دماغ ہائے متنازعین را بمرہم علم و دانش مداوا بکنیم ۵

علاوہ ازیں ایسے نزاعات اکثر مقابلین کے جہل عمیق کا اثر ہوا کرتے ہیں۔ اس کا علاج بجائے اس کے مذہب کے سر کو طعن و تشنیع سے کچلیں۔ یہی ہے کہ معاندین اور متنازعین کے دماغوں کا علم و دانش کے مرہم سے علاج کریں۔

---

۵ ممکن ہے اعتراض کیا جائے کہ اسلامی جہاد کا مقصد تو اعلاء کلمۃ اللہ ہوتا ہے۔ دنیاوی دولت کی طمع میں اگر جہاد ہو تو وہ جہاد نہیں۔ اور نہ مرنے والا عنداللہ شہید۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کا مطلب کیا ہے۔ آیا یہ کہ گردن پر تلوار رکھکر کلمہ توحید اُس سے کہلوایا جائے۔ اور جبتک مفتوح قوم اسلام قبول نہ کرلے اس کی جان بخشی نہ ہو۔ اگر یہی مقصود ہے تو پھر جزیہ اور ذمی وغیرہ کے احکام بیکار۔ قرآن پاک میں جہاں حکم ہے قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ (اس وقت تک جہاد کرتے رہو کہ فتنہ نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔) وہاں یہ بھی حکم ہے کہ۔ قاتلوھم حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون ــــ اُن سے جنگ کرو تا آنکہ وہ چھوٹے بنکر جزیہ دیں۔ حقیقت یہی واضح ہوئی کہ سیاسی اقتدار تسلیم کرلیں۔ (محمد میاں عفی عنہ مترجم)

۵ مسودہ میں عبارت یہ ہے: "کہ سر مذہب را بسنگ امحلہ شش بکوبیم۔ مگر بظاہر کاتب کی غلطی ہے۔

الحاصل اندریں واقعہ ہیچ شک وشبہہ نیست
کہ درعالم انسانی مجرمین فساد وفتنہ اندازی
دولتہا وحکومتہاء خورد وبزرگ می باشند
وآنہا مذہب را یک دشمن مہیب خود با سنگ
گراں در پیش رفت اغراض سیاہ خویش
دیدہ می خواہند کہ "بضرب فناکن برد. بو
نماندہ آنرا معدوم ساختہ از راہ خود
دور کنند۔ چراکہ دول عالم وعلمبرداران
آنہا علی العموم باصول استقلال وبے قیدی
خویش عاشق سرفروش بودہ بر سر خود
قیدے وحدے قبول نمے کنند۔ ومذہبہا
عموماً قابل آزادی قوائے انسانی نبودہ۔
برائے دولتہا وحکمفرمایان انسانی ہم
قیود وحدود متین را پیش کردہ استقلال
وحریت لاقیدانہ شانرا برہم مے
زنند۔ وعدم مسئولیت آنہارا اسلب
می سازند۔

از پرستاران نیاز کیش دول عالم۔ مذہب
معصوم ومصلح بے آزار بجرم فسادپیشگی
گرفتن علی الاکثر یک جرم وخیانتے است جیلے

الحاصل اس واقعہ میں کوئی شک وشبہہ نہیں
کہ عالم انسانی میں فساد اور فتنہ اندازی کے اصل
مجرم صرف دولتیں اور چھوٹی بڑی حکومتیں ہی
ہوتی ہیں[۱]۔ یہ حکومتیں مذہب کو اپنا ہیبت انگیز
دشمن یا اپنی اغراض سیاہ کے راستہ میں سنگ
گراں تصور کرکے چاہا کرتی ہیں کہ شدید ضربات سے
ریزہ ریزہ او نیست ونابود کرکے اپنے راستہ سے
دور کردیں۔ کیونکہ دنیاوی حکومتیں اوران کے
علمبردار عموماً اپنے استقلال اور مطلق العنانی
پر عاشق سرفروش ہوکر اپنے اوپر قید یا حد
بندی گوارا نہیں کیا کرتے۔ (دوسری طرف)
مذہب عموماً انسانی قوتوں اور انسانی فطرت
کے شہوانی جذبات) کی آزادی کے ناقابل ہونے
کے باعث انسانی دولتوں اور حکمرانوں پر حد بندی
اور مضبوط قیود کی حصار بندی کرکے انکی مطلق العنانی
آزادی اور استقلال کو درہم برہم کرتا ہے اور
اُن کی غیر مسئولیت اور استبداد کو سلب کیا کرتا ہے
دنیاوی دولتوں کے نیاز کیش پرستاروں کی جانب
سے مذہب معصوم اور اس بے آزار مصلح کو فتنہ
وفساد کا مجرم قرار دینے کیلئے اکثر وبیشتر صرف ایک

---

[۱] فرانس۔ برطانیہ۔ وغیرہ نے جنگ عالمگیر کے ختم پر جرمنی کی تمام نوآبادیات پر قبضہ کرلیا۔ اس پر بے پناہ تاوان جنگ ڈالا گیا۔ اُس کی فوجی طاقت کو محدود کیا۔ اسلحہ حرب کی مقدار اسکے لئے محدود کردی لیکن نازی پارٹی کے اقتدار اور جرمنی کی خلیہ کوششوں نے آج ہٹلر (ڈکٹیٹر جرمنی) کی طاقت اتنی بڑھادی کہ مخالفین ما سبق خائف اور مرعوب ہیں اور وہ ان تمام کارروائیوں کا انتقام لے رہا ہے جو فرانس اور برطانیہ وغیرہ نے

ان کے مالک و ادارہ کی ختم ۱۲۸۱ (محرم)

مجرمانہ کہ۔خود مجرماں دیدہ دلیر بچشم مردم
در آمدہ۔مے خواہند کہ گناہ خویش راگردن
ناکردہ گناہے انداختہ آں را در بلا دہند
و خود را از پاداشں آنہا آزاد مے
نمایند۔

و بعضاً غافلانے نیز می باشند کہ شکار تعلیمات
غلط یا اسیر پروپاغاندہ معترین گشتہ ہماں
را خدمت امنیت میدانند۔ ونمے دانند
کہ رہ راست از دست دادہ ہر جادہ کج و
پیچ رواںند۔ (باقی آئندہ)

جرم اور ایک خباثت ہی ہوتی ہے جو بہت کچھ تو
مجرمانہ ہوتی ہے کہ مجرم خود دیدہ دلیر ہوکر چاہا کرتے
ہیں کہ اپنے گناہ کو ناکردہ گناہ (مذہب) کے سر تھوپ کر
مذہب کو مبتلائے مصیبت کرتے رہیں۔ اور خود
کو اس کی پاداش سے آزاد کریں۔

اور کبھی کبھی (یہ بھی ہوتا ہے) کچھ غافل اور
نادان یا معترضین کے پروپاگنڈے کے شکار
اسی کو امانتداری کی خدمت جان لیتے ہیں اور
اور یہ نہیں جانتے کہ راہ راست کو ہاتھ سے دیکر ٹیڑھے
میڑھے راستہ پر چل رہے ہیں۔ (باقی آئندہ)

قائد عربی

الكلمات الانتقادية على البرنامج القديم

(من افادات حضرة العلامة الاديب الفقيه المفسر مولانا عبد الحق المدني المدير بالجامعة القاسمية رملدا باد)

لا تزال صرير الاقلام ودوي الاصوات يقرع اسماعنا بالكلمات الانتقادية على المدارس العربية الاسلامية الكائنة بارض الهند في الباب على البرنامج القديم والتزامها لذالك الالتزام الذي أشبه بالغريم۔

وقصارى ما ينقمون به على تلك المدارس اولاً ان الطلبة بعد نجاحهم واخذهم الشهادات وانتشارهم في البلدان وترشحهم للتدريس والتعليم وانتظامهم في سلك المدرسين والمعلمين لا يقتدرون على التكلم باللغة العربية۔ بل ترى الواحد منهم قاصراً عن ابرازما في ضميره۔ عاجزاً عن اخذ ما يكنه زصبله فهو اذا لم يخرج عن دائرة العجمة التي ما دخل هذه المدرسة الا ليمتاز عنها بين ابناء جنسه واتراب نوعه

اليس من العجب العجاب ان طالباً تخرج من مدرسة عربية بعد ما درس فيها كتباً تنوف عن العشرين كلها عربية بيده شهادة بنجاحه في العلوم العربية محررة باللغة العربية وهو عارٍ عن العربية

فياليت شعري ماذا حصل وعلام استحصل۔ انفق كمية وافرة من عزيز عمره ونفيس وقته۔ ورجع لا على طائل۔ فخرج من زمرة الجهلاء ولم يدخل في جملة العلماء۔ فبقي بين بين ورجع بخفي حنين۔ لا الى هؤلاء ولا الى هؤلاء۔

ثانياً ومع ذلك فهو عاجز عن تامين معيشته لا يقدر على الاكتساب لنفسه فاني له ان يقوم باداة غيره ممن يلوذ به۔ فهو اذا يتكفف الناس ويكون عالة عليهم وكفى بها من ذلة

وهب الله نجح في بعض ما توخاه فلا نجا ولا ان يرا اماماً لبعض مساجد المحلات

؎ حضرت مولانا موصوف کا یہ مضمون جب پورا ہو جائیگا تو اس کا خلاصہ بھی شائع کیا جائیگا (انشاء اللہ) کیونکہ یہ مقالہ اُن مضامین کا جواب ہے جو درس نظامی کے متعلق رسالہ قائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ (محمد میاں عفی عنہ)

وامام المسجد عبارة عن خادم يقوم بشئونهم من كناسة وسقاية وحراسة الى
غير ذلك مما يناقض شرف منصب الامامة.

على ان الامامة قد سقطت بسقوط الخلافة - فهى اقل من ان يقبلها ذو شرف
له ادنى وجدان اذ فلم يخرج ذلك الناجح من دائرة الذلة والهوان

ومما زاد المنتقدين قوة وتشجيعا فى اعتراضهما الذى زعموا انه طود لا
يتزاح وجبل لا تزعزعه الرياح انهما ابصروا متخرجى المدارس الافرنجية
يتكلمون بتلك اللغة التى درسوها بدون تلكأ فى اللسان ولا ارتجاج فى البيان
حتى ترى البارع منهم - اذا رقى منبر الخطابة - يتشدق فى خطابته باللغة
الانكليزية كانه ولد فى بلادهم - وربى فى حجور نساءهم -

قالوا هذا معنى النجاح - فانه دخل مدرسة انكليزية - صار انكليزيا محضا
حتى فى مطعمه ومشربه وملبسه - وجميع عشرته وتمدنه - الذى يعدا كبر
مفخر يتبجح به بين اقرانه واخوانه

هذا خلاصة صدوى الاصوات الانتقادية التى لازالت تدوى دوى الامواج
الثائرة - فى البحار الزاخرة - وتصور صرير النزعارع بالبلاقع حتى ادت الى امرين كانا
يقضيان على المدارس الاسلامية ويطمسان ما بقى من اثار تلك الربوع المندرسة
التى عليها مدار بقاء الدين وبها قوام الشرع المتين سلكوا مناهج للاصلاح واستبدوا
بآرائهم فاخطأت بهم السبيل وقاموا لتثقيف المعوج وهم بمعزل عن التثقيف
والتعديل -

وهكذا يكون الحال اذا وسدت الامور الى غير اصحابها - واتيت البيوت
من غير ابوابها - (شعر) :-

يا بارى القوس بريا ليس يحسنها ٭ لا تفسدنها واعط القوس باريها

وما كان الله ليذر الدين فى ايدى - سفهاء لا يفقهون ما يقولون - ولا يعون
ما يسمعون - يعلمون ظاهرا من الحياة الدنيا وهم عن الآخرة هم غافلون
شعر - يقولون اقوالا ولا يعلمونها ٭ فلو قيل هاتوا حققوا لم يحققوا

وها انا انشاء الله تعالى اشفيك بالجواب. وابين لك الخطاء من الصواب حتى ينكشف الغين عن العين ويتضح الصبح لذى عينين. وعند ذلك نقل لمن يدعى فى العلم معرفة حفظت شيئاً وغابت عنك اشياء ان البرنامج المتداول فى المدارس العربية الاسلامية لم يوضع لتعليم اللغة العربية وانما هو موضوع لتحصيل العلوم الدينية والفنون الآلية. بخلاف المدارس الانكليزية فانها لم تشرع الا لتعلم اللغة الانكليزية. فانها لم تشرع الا لتعلم اللغة الانكليزية. ويتبعها الحساب وشئ من التاريخ والجغرافية. فاذا امعنا النظر بين ناجحي المدرستين مع ملاحظة مدة التعليم. نعلم يقيناً ان المدارس الاسلامية هي الناجحة بشرط نجاح الطالب واستعداده وكذا فى الطلب لان الذى لا يجتهد فى تحصيله. فليس بناجح لا هنا ولا هناك.

بقدر الكد تكسب المعالى ... ومن طلب العلى سهر الليالى
ومن طلب العلى من غير كد ... اضاع العمر في طلب المحال

فذاك ساقط عن حد الاعتبار

نعم نحن انما نوازن بين الناجحين فى المدرستين فلننظر ماذا حصل طالب المدرسة الانكليزية بعد صرفه ثمان سنوات من عمره وما حصل الآخر بعد صرفه تلك المدة من حياته.

فاذا طالب المدرسة العربية بعد فراغه ناجحا استحل على اشرف العلوم واعظمها قدرا ورفعة عند الله وعند الناس حصل الصرف والنحو والبلاغة بفنونها الثلاثة والمنطق والفلسفة والهيئة وعلم الكلام والعقائد. واصول الفقه والفقه والحديث مع اصوله والتفسير ثم على اختلاف اجتهاد الطلبة فمنهم من يحصل مع ذلك علم الفرائض والحساب ومنهم من يترقى الى درجة يحصل منها الادب والتاريخ. وذلك يختلف باختلاف الاستعدادات الموضوعة فيهم من اول الفطرة.

واما طالب المدارس الانكليزية فلعله لو فرضنا في الدرجة العالية لم يستحصل على شئ من العلوم سوى اللغة وشئ من الجغرافية والتاريخ فاذا خال عن الدين و

(باقی دارد)

قواعد وضوابط رسالہ

[illegible] ۱۳۵۰ھ

(۱) رسالہ کا نیا سال محرم سے شروع ہوتا ہے۔ ہر قمری مہینہ کی ۲۰ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ ۱۰ کو ڈاکخانہ میں دیا جاتا ہے۔

(۲) اندرون ہند قمری ماہ کی ختم تک رسالہ نہ پہنچے تو ڈاکخانہ سے دریافت کیا جائے۔ اس کے بعد ہم سے شکایت کی جائے

(۳) قمری ماہ کی ۲۵ تاریخ کے بعد رسالہ نہ پہنچنے کی شکایت ہوگی تو رسالہ قیمت سے بھیجا جائیگا۔

(۴) چھ ماہ اور [illegible] سے کم خریدار نہ بنایا جائے گا [illegible]

(۵) خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں۔

(۶) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہئے۔ ورنہ دفتر جواب کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

(۷) مہذب اشتہارات شائع کئے جا سکتے ہیں بشرطیکہ اجرت پیشگی ادا فرمائی جائے۔

(۸) مہذب اور مستند مضامین شائع کئے جا سکتے ہیں مگر مسلک کے خلاف مضامین ہرگز شائع نہ کئے جائینگے

(۹) چندہ سالانہ بذریعہ منی آرڈر آنا چاہئے۔

(۱۰) ترسیل زر بنام مولانا حکیم [illegible] صاحب [illegible] ہونا چاہئے

(۱۱) ایجنسی کی شرائط خط وکتابت سے طے کی جاتی ہیں

(۱۲) چونکہ اب تک کے پچھلے رسالے دفتر میں باقی نہیں رہے لہذا مسلسل مضامین کے متعلق یہ تجویز کیا گیا ہے
کہ اگر آخر ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ تک کم از کم [illegible] درخواستیں موصول ہو جائیں تو تمام مسلسل
مضامین کی کاپیاں طبع کرا کر فرمائش کنندگان کی خدمت میں بھیجی جائیں گی۔ بشرطیکہ وہ آئندہ سال
کا چندہ ماہ محرم تک ادا فرمانے کا وعدہ فرمائیں۔ یعنی ابتدائے محرم سے خود کو خریدار قرار دے لیں۔

اجرت اشتہارات			شرح چندہ	
¼ صفحہ	½ صفحہ	ایک صفحہ	بیرون ملک	اندرون ملک
[illegible]	[illegible]	ایک مرتبہ [illegible]	عمدہ کاغذ ۴ شلنگ	سالانہ [illegible]
		ایک سال یعنی	معمولی کاغذ ۳ شلنگ	عمدہ کاغذ [illegible]
[illegible]	[illegible]	۱۲ مرتبہ [illegible]	نمونہ مفت	معمولی کاغذ [illegible]

"ارشاداتِ مبارکہ" سیدنا شیخ الاسلام مجاہدِ جلیل حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی دام ظلہم سرپرست رسالہ قائد



نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

میں نے رسالہ قائد کے بعض بعض مضامین دیکھے میں پہلے ہی سے اس کے کارکنوں سے واقف ہوں سب کے سب ما شاء اللہ ماہرین علم و فضل اور صحیح الخیال اشخاص اور اہل کمال افراد ہیں ان میں بہت سے حضرات نے خدمات ملیہ اور وطنیہ میں عالی ہمتی کیساتھ بہت سی قربانیاں بھی دی ہیں مجھکو قوی امید ہے کہ قوم مسلم اور تمام ہندوستانیوں کے لئے ان حضرات اور رسالہ کی رہنمائی نہایت صحیح اور بہت زیادہ مفید اور کارآمد ہوگی۔ میں تمام ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کی ہمت افزائی کریں۔ اور اس کی خدمت میں بیش از بیش حصہ لیکر اپنے فرائض سے سبکدوشی حاصل کریں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بیش از بیش توفیق عمل اور توفیق اصلاح دے اور ہر قسم کی خرابیوں سے بچائے۔ آمین۔ و باللہ التوفیق ۔۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

(مولانا سید) محمد میاں پرنٹر و پبلشر نے شاہی پریس مرادآباد میں طبع کراکر شائع کیا

کتبہ شمیم آرٹسٹ